بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کھاتہ داران حضرات

﴿خصوصی توجہ فرمائیں﴾

جن کھاتہ داران نے اپنے اپنے کھاتوں سے مجلّہ طلوع اسلام جاری کروایا ہوا ہے ان سے گذارش ہے کہ آپ اپنی فہرست خریداران 15 دسمبر 2010ء تک ادارہ طلوع اسلام کو بھجوا دیں اور جن کو میگزین سال 2011ء کے لئے جاری رکھنا مقصود ہو یا جن کے میگزین بند کرنے ہوں' مکمل فہرست' ایڈریس کے ساتھ بھجوا دیں تا کہ بروقت عمل درآمد ہو سکے۔ شمارہ کی اشاعت میں اضافہ آپ کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ پاکستان میں یونیورسٹیز' کالجز کی لائبریریوں کو لندن بزم و ناروے بزم کے تعاون سے 100/100 میگزین بھیجے جا رہے ہیں جو کہ بہت کم تعداد ہے۔ اگر بیرون ملک یا اندرون ملک کی بزمیں مزید تعاون کریں تو اس تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو سکتا ہے اور پاکستان کے تمام تعلیمی اداروں میں میگزین بھیجنا ممکن ہو سکے گا۔ امید ہے کہ بزمیں اس مسئلہ پر تعاون کریں گی۔

کھاتہ داران جن کے ذمے طلوع اسلام کی رقم بقایا ہے ان کو ان کے کھاتوں کی تفصیل بھجوائی جا رہی ہے تاہم اگر کسی وجہ سے یہ ان تک نہ بھی پہنچے تو بھی تمام کھاتہ داران سے التماس ہے کہ وہ اپنے کھاتوں میں معقول رقم جمع کرانے کا اہتمام کریں تا کہ واجب الادا رقوم کی وجہ سے ادارہ مالی پریشانیوں کا شکار نہ ہو۔

بینک اکائونٹ کے لئے ضروری وضاحت

1- بینک کا اکاؤنٹ نمبر۔ 3082-7

2- بینک کا نام۔ نیشنل بینک آف پاکستان' مین مارکیٹ برانچ گلبرگ' لاہور (پاکستان)۔

3- نام اکاؤنٹ۔ ادارہ طلوع اسلام

شکریہ

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام لاہور

فہرست

لمعات:

حسبنا کتاب اللہ	ادارہ	3
منکرِ قرآن کون ہیں؟	نصیر احمد ناصر	10
گرانی کا طوفان اور عیدالاضحیٰ	ادارہ	15
فیس بُک	جاوید چودھری	21
آغا جی	عرفان صدیقی	25
شاہکار رسالتؐ	آغا شورش کاشمیری مرحوم	29
الصلوٰۃ	عبداللہ ثانی' پشاور	34
تحریکِ طلوعِ اسلام کے ناقدین کی خدمت عالیہ میں	خواجہ ازہر عباس' فاضل درسِ نظامی	42
لغات القرآن ﴿ص ل و (ی)﴾	پرویزؒ	52

اہم اعلان

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ مہنگائی کی سطح پاکستان میں روز بروز بلند سے بلندتر ہوتی جا رہی ہے۔ ادارہ طلوع اسلام کی کوشش رہی ہے کہ اس کا لٹریچر جس حد تک ممکن ہو ارزاں رکھا جائے۔ اسی پالیسی کے تحت رسالہ طلوع اسلام کی بیرون ملک قیمتوں میں کم و بیش آٹھ سال سے کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔ لیکن کاغذ کی قیمتوں اور گورنمنٹ آف پاکستان کی جانب سے ڈاک کے ریٹ کئی گنا بڑھ جانے کے باعث رسالہ پرانے نرخوں پر بھیجنا ناممکن ہوگیا ہے اور رسالہ طلوع اسلام کا سالانہ زرشرکت بڑھانا ناگزیر ہوگیا ہے۔

جنوری 2011ء سے بیرون ملک قارئین طلوع اسلام کے لئے سالانہ زرشرکت کی شرح 24 امریکی ڈالر اور اندرونِ ملک 300 روپے مقرر کی گئی ہے۔

〈ادارہ طلوع اسلام〉

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

بیادشہید اسلام ۔شاہکار رسالت ۔خلیفہ ثانی امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

...حَسبُنا کِتَابُ اللّٰہ...

اَفَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْتَغِیْ حَکَماً وَھُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتَابَ مُفَصَّلاً (6:114)-

(فرمادیجئے) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حَکَم تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل کی۔

قرآن کریم کے یہ واضح اور غیر مبہم الفاظ ہی تو ہیں جن کی بنیاد پر **حسبنا کتاب اللہ** پر مشتمل دلنشیں سلوگن کا امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظمؓ نے (بصیغہ جمع متکلم) بے ساختہ مگر کامل فہم وادراک کے ساتھ اظہار فرمایا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے جملہ اصحاب باصفا رضی اللہ عنہم اس تین کلمات پر مشتمل عربی جملے پر یکسوئی کے ساتھ متفق ومتحد تھے۔۔۔ قرآن ہمارے لئے کافی ہے۔۔۔ یہ کلمات جو چاردانگ عالم شہرت پا چکے ہیں‘ جس ہستی کی زبان مبارک سے صادر ہوئے‘ اس نے کم وبیش گیارہ سالہ دورخلافت میں قرآن ہی کی راہنمائی میں اخلاقی‘ سماجی‘ سیاسی اور معاشی معاملات وامور تمام و کمال سرانجام دیئے خصوصاً اقتصادی ومعاشی میدان میں آپ نے اپنے دور میں قرآنی فرامین کی روشنی میں جو دوررس فیصلے کئے آج کے حکمران ورعایا انہیں روبعمل لائیں تو یقیناً ’’کس نباشد در جہاں محتاجِ کس‘‘ ایسی جنت بداماں اور عظیم الشان صورت حال کا اعادہ ہوسکتا ہے مگر اس کی زد جن طبقات پر پڑے گی وہ ہر ہر حربے سے اس کی مخالفت کریں گے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں پر مشتمل طاغوتی گروہ جو آٹے میں نمک کے برابر ہوتے ہوئے بھی نہ صرف نزول قرآن کے وقت بلکہ اس سے قبل ہر رسول علیہ السلام کے زمانے سے کبھی زیرزمین کبھی بالائے زمین معاشی تقسیم کے ربانی اصول کی مخالفت بلکہ ریشہ دوانیوں میں مصروف تگ وتاز رہے یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔قرآن کے ابدی وآفاقی (لفظی ومعنوی بلکہ ہر لحاظ سے غیر محرف) کلمات واحکامات کی اتباع‘ اپنے مطاع (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور رفیق حمیم (حضرت صدیق اکبرؓ) کے عملاً نافذ کردہ احکامات واقدامات کی راہنمائی میں بہترین معاشی نظام رائج فرمایا۔ آپ فرمایا کرتے تھے: لو ماتت شاۃ علی شاطیٔ الفرات جوعا لکان عمر مسئولا عنہ یوم القیامۃ--- اگر فرات کے کنارے ایک بکری بھی بھوک سے مرگئی تو قیامت کے روز عمر سے اس کی بازپرس ہوگی۔۔۔ بعض محترم حضرات نے سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کے اس

قولِ جلیل کو سورہ ھود کی آیت نمبر 6 کی توضیح وتفسیر کے طور پر بیان فرمایا ہے: **وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِی الاَرضِ اِلاَّ عَلَی اللّٰہِ رِزقُھَا** ۔۔۔۔ زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی روزی (رزق) اللہ کے ذمہ نہ ہو۔۔۔ محولہ آیہ کریمہ میں لفظ **دابۃ** غور طلب ہے۔ زمین پر حیوانی زندگی سے متعلق ہمہ قسم کے جاندار اس کے وسیع تر مفہوم میں شامل ہیں بحر و بر میں جانے کتنی انواع واقسام کے جاندار ہیں جہاں ھنوز ان محققین کی بھی دسترس نہیں ہو پائی جو شب و روز حیاتیات بالخصوص حیوانیات سے متعلق جانداروں کی تلاش اور ان کے فطری و ماحولیاتی خصائص کی تحقیق میں سرگرداں ہیں۔۔۔ جن کا ابھی کسی کو علم و ادراک ہی نہیں ہو پایا بھلا کیسے باور کر لیا جائے کہ سوائے خلاق العالمین کے وہ کسی اور کی ربوبیت میں ہوں۔ ان جانداروں میں دو پاؤں **(رجلین)** پر چلنے والے تمام کے تمام جاندار بھی ابھی کسی بڑے سے بڑے منتظم ومہتمم کی پرورش میں نہیں آ سکے اس قسم کا حتمی دعویٰ دو پاؤں **(رجلین)** پر چلنے والے ''حضرت انسان'' یا اس نوع کی ایک دو اور مخلوقات کے حوالے سے کیا جا سکتا ہے مگر ہر قسم کے جانداروں **(دابہ)** کے متعلق نہیں۔

> **وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّةٍ مِن مَّاء فَمِنھُم مَّن یَمشِی عَلَی بَطنِہِ وَمِنھُم مَّن یَمشِی عَلَی رِجلَینِ وَمِنھُم مَّن یَمشِی عَلَی اَربَعٍ یَخلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَاء** (النور:45)۔
>
> اللہ نے ہر ایک جاندار (دابہ) کو پانی سے پیدا کیا سو ان میں کوئی وہ ہے جو اپنے پیٹ کے بل چلتا (رینگتا) ہے' کوئی ان میں وہ ہے جو دو پاؤں پر چلتا ہے اور کوئی ان میں وہ (بھی) ہے جو چار پاؤں پر چلتا ہے اللہ جو چاہتا ہے تخلیق کرتا ہے (اور کرتا رہے گا)۔

جانداروں کی بعض خاص انواع سے متعلق صرف اہلِ علم ہی واقف ہیں (اکثر احباب شاید نہ جانتے ہوں) کہ وہ ایک مخصوص درجہ حرارت پر سرما خوابی (Hibernation) میں چلے جاتے ہیں۔ نیشنل جیوگرافک ٹی وی چینل پر ایسے ہی جانداروں سے متعلق ایک ویڈیو رپورٹ دکھائی گئی جو سطح زمین سے نیچے چھ سات فٹ گہرائی پر ٹھوس مٹی میں پائے گئے۔ ایسے میں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ عمل تنفس کے ساتھ ساتھ ان کی جسمانی ربوبیت صرف اور صرف اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ بھرپور انتظامی صلاحیتوں سمیت تدبر وفراست کے کمال درجے پر فائز ہونے کے باوجود کسی بڑے سے بڑے انسان کے بس کی بات نہیں کہ ان حالات میں ایسے جانداروں کے لئے ترسیل رزق کا بندوبست کر سکیں۔۔۔ ہاں ایسا یقیناً ممکن ہے کہ انسانوں کے تصرف میں آنے والے جانداروں کی دیکھ بھال اور نشوونما میں کسی طرح کے تساہل یا تغافل پر باز پرس کی

جائے بلکہ قانون سازی کے ذریعے اسے مؤثر بنایا جائے۔ اسی حوالے سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے اپنے زیر انتظام مملکت میں گلہ بانی اور حیوانات پروری وغیرہ سے متعلق قوانین رائج فرمائے اور ان پر سختی سے عمل درآمد بھی ہوا۔ اسی وجہ سے محولہ بالا آپ کا یہ عظیم قول زبان زد عام ہوا۔۔۔ جہاں انسانوں کے تصرف میں آنے والے حیوانات کا اس قدر خیال رکھا جاتا تھا بھلا کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ ان کے دور حکمرانی میں کوئی انسان بھوکا یا افلاس زدہ رہا ہو۔ اس لئے کہ۔۔ **لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ** (البقرہ:279)۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔۔اور۔۔۔ **كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ** ۔۔۔(59:7)- ایسا نہ ہو کہ اس (دولت) کی گردش (محض) تمہارے مالداروں کے درمیان ہوتی رہے۔۔۔ کے قرآنی کلمات ہمیشہ امیر المومنین عمرؓ کے پیش نظر رہے معاش و اقتصاد کے حوالے سے یہ دونوں آیات اساس کی حیثیت رکھتی ہیں۔۔ جب بھی ارتکاز و اکتناز دولت کا عمل شروع ہوتا ہے تو نظام میں خرابی کا آغاز ہو جاتا ہے اور معاشرہ سڑاند کا شکار ہو جاتا ہے بالکل ایسے جس طرح وجود کا کوئی حصہ خون کی گردش میں رکاوٹ سے مفلوج ہو جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دولت (جو جائز اور حلال طریقے سے کمائی گئی ہو) اگرچہ خود مقصد نہیں لیکن مقصد کے حصول کیلئے توانائی مہیا کرتی ہے۔ ملک عزیز جب سے معرض وجود میں آیا ہے اس قسم کی توانائیاں صرف اور صرف جاگیردار اور سرمایہ دار طبقات میں مرتکز ہو کر رہ گئی ہیں جو غیر ملکی آقاؤں کے سامنے دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ ان سے یہ توانائیاں چھین کر عوام کی رگ و پے تک منتقل کرنے کے لئے کسی جماعت، اسمبلی یا فورم کی ضرورت نہیں ایک انقلابی سوچ کی ضرورت ہے۔۔۔ تاریخ اسلام میں ایسے امین حکمرانوں کی نظائر ملتی ہیں جنہوں نے اپنے دور میں ایسے فیصلے کئے جن پر عملدرآمد کرنا اور کروانا بظاہر بہت ہی مشکل بلکہ ناممکن نظر آتا تھا لیکن جب عزم میں پختگی اور نیت میں خلوص ہو تو کوئی بھی سدِ راہ نہیں بن سکتا۔

یحییٰ بن آدم (المتوفی 818ع) کی مشہور کتاب الخراج طبع سلفیہ مصر کے صفحہ 93 پر درج ذیل یہ مکالمہ جو سیدنا عمر فاروق اعظمؓ اور مزنی قبیلے کے حضرت بلالؓ بن حارث کے درمیان ہوا۔۔۔ یہ وہ بلالؓ ہیں جنہیں ان کی درخواست پر حضور نبی کریم ﷺ نے ایک بڑا قطعہ زمین (غالباً پوری وادی عتیق) برائے کاشت عطا فرمایا تھا جو بوجوہ ان سے زیر کاشت نہ آ سکا۔۔۔ پھر۔۔۔ روح اسلام اور قرآن میں مذکور ریاستی اغراض و مقاصد کا بھرپور فہم رکھنے والے عظیم خلیفۃ المومنین نے بلاد اسلامیہ کی وسعت اور اس کے مکینوں کی متوقع کثرت کے پیش نظر ایسا فیصلہ فرمایا کہ آنے والے تمام حکمرانوں کے لئے ایک زندہ و تابندہ مثال کے طور پر جگمگاتا رہے گا:

عن عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ قال جاء بلال
بن الحارث المزنی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فاستقطعه ارضاً--- فاقطعها له طويلة عريضة۔ فلما ولی عمر رضی الله عنه قال له يا بلال انك استقطعت رسول الله صلی الله علیه وسلم ارضاً طويلة وعريضة فقطعهالك وكان رسول الله صلی الله علیه وسلم لم يكن يمنع شيئاً يسئله وانت لا تطيق ما في يديك فقال اجل--- فقال فانظر ماقويت منها فامسكه--- مالم تطق ومالم تقو عليه فارفعه الينا نقسمه بين المسلمين--- فقال لا افعل والله اقطعنيه رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال عمر رضی الله عنه لتفعلن۔ فاخذ منه ما عجز عن عمارته فقسمه بين المسلمين۔ (نیز ملاحظہ ہو کنز العمال دائرۃ المعارف النظامیہ دکن 1312ھ' جلد دوم صفحہ 191 اور بیہقی دائرۃ المعارض دکن صفحہ 149)

(ترجمہ)۔حضرت عبداللہ بن ابی بکر (رضی اللہ عنہما) روایت کرتے ہیں کہ مزنی قبیلہ کے ایک فرد جناب بلال بن حارث نے نبی اکرمﷺ سے (کاشت کی غرض سے) زمین کا ایک قطعہ مانگا تو آپﷺ نے انہیں ایک طویل وعریض رقبہ مرحمت فرما دیا---پھر جب (سیدنا) عمرؓ نے بارِ خلافت سنبھالا تو آپ نے (حضرت) بلالؓ کو (بلا کر) کہا---

(مکالمہ ملاحظہ ہو)

امیر المومنین: اے بلال' نبی کریمﷺ سے جو بھی سوال کرتا تھا (اپنے خلق عظیم کے باوصف) آپ اسے رد نہیں فرماتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپﷺ نے تمہیں بھی تمہارے سوال پر (کاشت کے لئے) طویل وعریض قطعہ زمین دے دیا---کیا ایسا ہے؟

بلال: یہ درست ہے۔

امیر المومنین: کیا یہ حقیقت نہیں کہ جتنا رقبہ تم نے مانگا تھا اس کی کاشت تمہاری استطاعت اور قوت سے باہر ہے؟

بلالؓ: ہاں یہ درست ہے (فقال اجل)۔

امیر المومنین: تو پھر دیکھو جتنا رقبہ تم آباد کر سکتے ہو رکھ لو اور جس کی کاشت تمہاری طاقت سے باہر ہے اسے ہمارے حوالے کر دو تاکہ (اس کی آبادکاری کے لئے) ہم مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔

بلالؓ: بخدا جو رقبہ نبی کریم ﷺ نے مجھے دیا ہرگز واپس نہ کروں گا۔

امیر المومنین: واللہ ایسا ہو کر رہے گا۔۔۔یعنی۔۔۔زائد رقبہ جو تم آباد کرنے سے قاصر ہو وہ واپس ہو کر رہے گا۔

پھر راوی (عبداللہ بن ابی بکرؓ) فرماتے ہیں کہ:

بلالؓ کی زائد زمین جسے وہ کاشت کرنے سے عاجز تھے' لے لی گئی اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دی گئی۔۔۔جس پر کسی صحابی رسول علیہ السلام نے قطعاً اعتراض نہ کیا۔

امیر المومنین فاروق اعظمؓ کا یہ فیصلہ اور پھر اس پر ان کا عمل محض قرآنی روح کو برقرار رکھنے کے لئے تھا آپ ضرورت سے زائد سکنی و زرعی رقبوں کی ملکیت میں مضمر خطرات کو بخوبی جانتے تھے آپ نے ان مقاصد کو پیش نظر رکھا جو اسلام کے معاشرتی و اقتصادی نظام کے حوالے سے معروف ہیں مذکورہ روایت کے الفاظ فقسمه بین المسلمین (پھر مسلمانوں کے درمیان زائد رقبہ تقسیم کر دیا) اس پر شاہد ہیں کہ آپ ایسی تمام زمینوں' جو پیداواری صلاحیتوں کی حامل تھیں' پر اجتماعی ملکیت کے نہ صرف قائل تھے بلکہ بھرپور عامل بھی تھے۔

زمینی رقبوں کے حوالے سے آپ کا نقطہ نظر انتہائی واضح' بے لاگ اور شفاف تھا بالخصوص اسلامی سلطنت کی حدود میں وسعت ہوئی تو مفتوحہ زمینوں یا مال فے کے حوالے سے آپ کے رفقاء میں جو احساس پیدا ہو چلا تھا آپ کی بصیرت نے بھانپ لیا کہ اس طرح معاملات الجھ کر رہ جائیں گے وقتی مصالح پر مبنی فیصلے ہمارے بعد آنے والی نسلوں کے لئے پیچ در پیچ مسائل کا باعث بن جائیں گے۔ یوں آپ نے **والذین جاء و من بعدھم** (الحشر:10)۔ سے استدلال کرتے ہوئے موافقین و مخالفین کو قرآنی اصول پر مجتمع کر لیا۔ اس کی روح کو مستفیضانِ چشمۂ رسالت تو سمجھ گئے جن کے چہرے

مسرت سے تمتما اٹھے مگر اس وقت کے عالمی جاگیرداروں اور رسہ گروں (مترفین) کے دل میں اس قسم کا متفقہ فیصلہ کانٹے کی طرح پیوست ہو کر رہ گیا جس کے باعث ان کا ذہنی کرب اور قلبی اضطراب روز بروز بلکہ لحہ بہ لحہ بڑھتا رہا ظاہر ہے عراق و ایران اور مصر و شام میں مفتوحہ زمینوں پر غاصب حکمرانوں اور جاگیرداروں کا قبضہ ختم کر کے عوام کا عملاً استحقاق قائم کرنا کیونکر انہیں راس آ سکتا تھا۔

احتساب کا یہ عالم کہ امیر المومنین اپنے سمیت اقرباء و اعزاء اور ذمہ داران حکومت کو محاسبے کی چھلنی سے ایسے گذارتے مجال ہے کہ کوئی حیلے بہانے سے بچ پاتا۔۔۔یمنی چادروں کی تقسیم کے حوالے سے خود خلیفہ المسلمین سیدنا عمرؓ کو عوامی احتساب سے گذرنا پڑا۔۔۔آپ کا فرمان تھا کہ اگر خلیفہ ٹھیک چلتا رہے تو لوگوں کو چاہئے کہ اس کی بات مانیں اگر انحراف کرے تو ہرگز اس کی بات قبول نہ کی جائے بلکہ سخت سے سخت سزا اس کے لئے تجویز کی جائے۔۔۔حضرت علیؓ بحیثیت جسٹس آپ کو القوی الامین کے الفاظ سے خراج تحسین وعقیدت پیش کیا کرتے تھے۔۔۔بطور سربراہ مملکت اور اپنے دور کے عظیم مرکز ملت ہونے کے باوجود عدلیہ کو قطعی مقام وحیثیت کا حامل قرار دیتے تھے بارگاہ عدل میں اپنے آپ کو مسئول اور جوابدہ سمجھتے تھے۔ایک مقدمہ میں مدعا علیہ کے بطور حضرت زید بن ثابتؓ کی عدالت میں پیش ہوئے۔انہوں نے احتراماً آپ کو بیٹھنے کے لئے نشست فراہم کرنا چاہی تو آپ نے ان سے کہا کہ زیدؓ! آپ سے انصاف کی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے جب آپ نے آغاز سے ہی فریقین مقدمہ میں امتیازی برتاؤ شروع کر دیا!! یہ کہہ کر آپ مدعی کے قریب بیٹھ گئے۔ اگرچہ آپ کو اس کے دعویٰ سے انکار تھا۔اس واقعے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ کوئی بھی ''مرکز ملت'' عوامی تنقید کی زد میں آ سکتا ہے اور ایوان عدل وانصاف سے ہی اپنی بریت و بے گناہی کے لئے رجوع کرنے کا مکلّف ہوگا۔

سیاسی معاملات میں اس قدر باخبر اور رعایا کے حقوق سے متعلق اس حد تک فکر مند کہ ملک شام کے دورے سے واپسی پر رات سے ایک ویرانے سے گذر ہوا تو ایک بڑھیا سے احوال لینے کے دوران اس کی معلومات کا اندازہ کرنے اور اپنے تشکیل کردہ شعبہ اطلاعات وابلاغیات کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لئے پوچھا' اماں! امیر المومنین کہاں ہے؟ کہنے لگی سنا ہے وہ شام کے سفر پر ہیں اور اب وہاں سے چل پڑے ہیں۔۔۔کوئی شکایت یا مسئلہ امیر المومنین تک پہنچانا ہو تو میں پہنچا دوں تو تنک کر بولی ''یہ اس کا کام ہے کہ وہ خود رعایا کے حالات معلوم کرے ورنہ اسے حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں''۔۔۔ اس واقعے کو یاد کر کے امیر المومنین عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے اور کہا کرتے کہ ''خلافت کا مفہوم تو شام کی بڑھیا نے

بتایا''۔۔۔پھر یہ عہد کیا کہ اگر زندہ رہا تو دور افتادہ علاقوں کے لوگ جو مجھ تک بوجوہ نہیں پہنچ پاتے خود ان کے ہاں جا کر حالات معلوم کروں گا۔۔۔مگر۔۔۔وائے افسوس! آپ کی یہ حسرت دل میں رہ گئی اور اسلامی مملکت کا پہلا عظیم سربراہ عالمی جاگیرداری و سرمایہ داری کا نشانہ بن گیا جس کے ہاتھوں اسلام کے اس بطل جلیل اور حریت فکر و اظہار کے بے لاگ علمبردار کی شہادت ہوئی۔شہید اسلام حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی یاد کے ساتھ امیر المومنین سیدنا علیؓ کی آنکھوں میں آنسو تیر جاتے اور فرماتے:

''میں عمرؓ کی شہادت پر اس لئے آبدیدہ ہو جاتا ہوں کہ ان کی وفات سے اسلام میں ایسا رخنہ پیدا ہو گیا جس کا پر ہونا ممکن نہیں۔''(طنطاوی' صفحہ 461)۔

اللہ عزوجل کی بے پایاں رحمتیں ہوں شاہکار رسالت اور مراد رسول سیدنا عمر فاروق اعظمؓ پر۔۔۔اس لئے کہ آپ کے عہد میں قرآنی احکام کی روشنی میں اس قدر تحرک ہوا کہ اپنے تو اپنے' اغیار نے بھی عقیدت کے پھول نچھاور کئے اور آپ کی کاوشوں کو سراہا بلکہ اپنی سوسائیٹیوں میں ان تحریکات کو عملاً جاری کیا جس کی بنیاد محسن انسانیت' رحمتہ اللعالمین علیہ الصلوۃ والسلام نے رکھی اور صدیق اکبرؓ نے بیرونی خطرات و خدشات سے جسے تحفظ فراہم کیا۔۔۔کیا ''قانون اسلامی'' میں اب بھی تحرک و ارتقاء کی استعداد ہے حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے چھٹے خطبے بعنوان (الاجتھاد فی الاسلام) اور اصلاً انگریزی زبان میں **The Principle of Movement in the Structure of Islam--- page 129** میں یوں جواب دیا کہ:

''ہاں بشرطیکہ دنیائے اسلام عمرؓ کی قرآنی سوچ اور روح کو پالے جو اسلام کا پہلا تنقیدی و حریت پسند ذہن تھا جسے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں یہ شاندار الفاظ کہنے کی اخلاقی جرأت ہوئی۔

"The Book of God is Suffiient for us"

---حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ---

جس کی ترجمانی مشہور محقق و مدقق امام اہلسنت علامہ عبدالشکور لکھنوی علیہ الرحمہ نے یوں کی کہ ہم تمام علوم اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں اللہ کی کتاب کی حاکمیت کو پیش نظر رکھیں گے۔اس کا مطلب قول و فعل رسول کا انکار نہیں ورنہ حسبنا کتاب اللہ کا مطلب انکار رسالت ماننا پڑے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نصیر احمد ناصر

مُنکرِ قُرآن کون ہیں؟

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے' ان میں منکر قرآن وہ ہیں جو اس کی آیات پر روایات وملفوظات کو ترجیح دیتے اور کلام الٰہی کے مقابلے میں کلام انسانی کو مانتے ہیں' لیکن کم اس کا شعور رکھتے ہیں کہ اس سے انکار قرآن لازم آتا ہے۔ موقع کی مناسبت سے یہاں چند ایک مثالیں دینے پر اکتفا کیا جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُم مِّن قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (32:17)-

کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کے لئے کون سی آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی جنت) چھپا کر رکھی گئی ہے۔ یہ ان کے (حسین) اعمال کا اجر ہے جو وہ کیا کرتے تھے۔

اس آیۂ تبشیری کی تفسیر خود نبی اکرمﷺ نے کی ہے' جس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے بندوں کے لئے ایسی چیز (یعنی جنت) تیار کر رکھی ہے' جس کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ اس کی ماہیت کو کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کا قلب اس کا تصور ہی کر سکا اور نہ کر سکتا ہے۔ اگر اس کی تصدیق چاہو تو یہ نصِ قرآن پڑھ لو: ''کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کی کیا چیز (یعنی جنت) چھپا کر رکھی ہوئی ہے۔ (متفق علیہ' در المشکوٰۃ' ح 5371)۔

اس آیۂ بصیرت افروز اور اس کی تفسیری حدیثِ طیبہ سے جب ثابت ہوا کہ کسی متنفس' یعنی انسان' فرشتے' ابلیس وغیرہ وغیرہ نے جنت قرۃ العین کو جو الحیوان میں ہے' دیکھا تک نہیں تو پھر یہ روایت کہ آدم اور حوا جنت قرۃ العین میں پیدا ہوئے اور وہاں سے زمین میں اترے' قرآن حکیم کی تکذیب نہیں تو کیا ہے؟ لہٰذا یہ موضوع روایت ماننے والے صاف منکر قرآن ہوئے۔

اس واقعہ کے سلسلے میں لفظ اھبطوا آیا ہے' جس کے معانی اکثر مترجمین ومفسرین نے آسمان سے نیچے زمین پر اترنے کے کئے ہیں' حالانکہ خود قرآن حکیم نے اس کے

معانی صحرا سے زرخیز و آباد شہر میں چلے جانے کے لئے ہیں:
مثلاً اھبطوا مصرًا (2:61)۔ کسی آباد و زرخیز شہر میں چلے جاؤ۔

آخر میں اس واقعیت کی نشاندہی کر دی جاتی ہے کہ قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر اس اصل کی صراحت کر دی ہے کہ رب کریم نے آدم یا بنی نوع انسان کو اس کرۂ ارض یا زمین میں چھ ارتقائی مرحلوں میں تخلیق کیا تھا (تفصیل اور مآخذ کے لئے دیکھئے مترجم کی کتاب سرگذشت فلسفہ' حصہ اول' ص382-439)۔

-2 قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر ہمیں اس اصل سے آگاہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناقابل تغیر و تبدل سنت یہ ہے کہ وہ پہلے انسان کو پیدا کرتا یا نیستی سے ہستی میں لاتا ہے۔ پھر اسے موت دیتا ہے' آخر میں قیامت کے روز اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس آخری و ابدی زندگی کو اس نے صاف **تارۃً اخریٰ** (20:55)- اور **النشاۃ الاخریٰ** (53:47)- کہا ہے۔ اب متعلقہ آیات نقل کی جاتی ہیں:

☆ **كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (2:28)-**

تم کیسے اللہ تعالیٰ (کے کلام و دین یا نظامِ حیاتِ کلی) کو ماننے سے انکار کرتے ہو؟ حالانکہ تم بے جان تھے تو اس نے تمہیں زندگی بخشی' یعنی پیدا کیا' پھر وہ تمہیں موت دے گا' پھر (بروزِ قیامت) تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا' پھر تمہیں اس کے حضور پلٹ کر جانا ہے۔

اسی واقعیت کو اس نے باندازِ دیگر اس طرح بیان کیا ہے:

☆ **مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ (20:55)-**

(اے بنی نوعِ انسان!) اسی کُرۂ ارض یا زمین میں ہم نے تمہیں (چھ ارتقائی مرحلوں میں) پیدا کیا ہے اور اسی میں تمہیں لوٹا دیں گے اور اسی میں سے تمہیں دوبارہ یا دوسری بار نکالیں گے۔

☆ **وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْأُخْرَىٰ (53:47)-**

دیکھو اور یقین مانو کہ دوبارہ پیدا کرنا بھی اسی (اللہ تعالیٰ) کی ذمے داری ہے۔

اس آیۂ فکر انگیز میں ایک قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا کوئی مُردوں کو زندہ نہیں کر سکتا۔ دوسرے' **نشاۃ الاخریٰ** (دوسری زندگی) کو اردو اور فارسی میں نشاۃ ثانیہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس اصل عظیم کو پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس طرح کہلوایا ہے:

☆ **قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ**

-(45:26)

(اے نبیﷺ!) آپ اعلان کر دیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہیں زندہ' یعنی پیدا کرتا ہے' پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے' پھر وہی قیامت کے روز تمہیں (دوبارہ زندہ کر کے) جمع کرے گا' اس واقعیت میں کسی قسم کا اضطراب و شک نہیں' مگر بنی نوع انسان میں سے اکثر یہ جانتے نہیں۔

قرآن مجید نے کہیں تیسری زندگی اور مرنے کے بعد دوسری موت کا ذکر نہیں کیا' لہٰذا جو روایت پرست لوگ ان نصوص قرآنی کے مقابلے میں موضوع روایات کو مانتے ہیں' وہ صاف قرآن حکیم کا انکار کرتے ہیں' اس لئے وہ منکر قرآن ہوئے۔ مثال کے طور پر' ان کا عقیدہ ہے کہ انسان جب مر کر قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو نکیرین یعنی منکر اور نکیر اسے دوبارہ زندہ کر کے سوال و جواب کرتے ہیں' اور پھر اسے دوبارہ موت آتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ روایات چونکہ طویل ہیں' اس لئے ان کے حوالے دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے (المشکوٰۃ' ح 122-123' نیز معراج کا بیان' ح 5611 تا 5615)۔

واقعۂ اِسراء یا معراج کے متعلق کتب احادیث میں بڑی طویل روایات ملتی ہیں' جو زیرِنظر آیاتِ قرآنی سے متناقض ہیں۔ طوالت کی وجہ سے ان کا نقل کرنا بے جا ہے' لہٰذا ابن قیم کی ایک روایت کا ملخص پیش کیا جاتا ہے:

صحیح روایت یہ ہے کہ رسول اللہﷺ کو آپﷺ کے جسم مبارک کے ساتھ بُراق پر سوار کیا گیا اور حضرت جبریل علیہ السلام کے ہمراہ مسجد حرام سے بیت المقدس تک سیر کرائی گئی۔ پھر آپﷺ نے وہاں نزول فرمایا اور انبیاء علیہم السلام کی امامت فرماتے ہوئے صلوٰۃ قائم کی' اور براق کو مسجد کے دروازے کے حلقے سے باندھ دیا گیا...... (زاد المعاد فی ھدی خیر العباد' جلد 2' کانپور 1298ھ' مصر 1324ھ' 1347ھ)۔

بعد ازاں' آپﷺ کو درجہ بدرجہ ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ آپﷺ کی بالترتیب حضرت آدمؑ' پھر حضرت یحییٰؑ بن زکریاؑ' حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ' حضرت یوسفؑ' حضرت ادریسؑ' حضرت ہارونؑ بن عمران' حضرت موسیٰؑ بن عمران سے اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ (مذکورہ بالا حوالہ)۔

ہم معلوم کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کی رو سے بشمولِ انبیآء علیہم السلام کل بنی نوعِ انسان وفات پا جانے کے بعد دوبارہ صرف قیامت کے روز زندہ کئے جائیں گے لیکن محولۂ بالا اور دیگر روایات میں انبیآء علیہم السلام کے زندہ دنیا میں آنے جانے کی تفصیلات ملتی ہیں' جن سے صاف نُصوصِ قرآنی کی تردید و تکذیب ہوتی ہے۔ ایسی

روایات کو ماننے والے اگر منکرِ قرآن نہیں تو پھر کیا ہیں؟

3- اِنفاق بِالْعَفْو کا حکم اِیتائے زکوٰۃ کی طرح لازمی (Compulsory) یا فرض (Incumbent) ہے' اختیاری (Optional) نہیں۔ لیکن اکثر اکابر و سادات پرست مفسرین اسے اختیار کہتے ہیں' اور اس اصل کا شعور نہیں رکھتے کہ اس سے قرآن حکیم کا انکار لازم آتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مدینۂ منورہ میں جب پیغمبر اعظم و آخرﷺ نے قرآن حکیم کے قوانین و احکام کے مطابق نظام اسلام قائم کیا اور اسلامی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کی تو یہ آیۂ تنذیری نازل ہوئی:

☆ لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ (3:92)-

تم خیر و حسنہ حاصل کر ہی نہیں سکتے جب تک تم وہ مال و دولت وغیرہ جو تمہیں بہت پیارا ہے' اللہ کی راہ میں' یعنی اس کے بندوں کی کفالت' فلاح و بہبود اور ان کی مالی امداد و حاجت روائی' نیز نظام اسلام کے استحکام و دفاع کے لئے خرچ نہ کر ڈالو۔

یہ ارشادِ الٰہی سن کر خیر و حسنہ کے طلبگار اہل ایمان نے نبی اکرمﷺ سے دریافت کیا۔ قرآن حکیم کی زبان میں:

☆ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ (2:219)-

اور آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ ہم (اللہ کی راہ میں) کتنا مال و دولت خرچ کریں' فرما دیجئے! جو مال و منالِ حسن ضرورت سے زائد ہو' یعنی فالتو (Surplus)' بانجھ (Barren)' بے مصرف (Idle) اور محجوب (Shy) ہو (اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا لازم ہے)۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلم حکمران کو زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا ہے:

☆ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (9:103)-

ان کے مالوں سے زکوٰۃ وصول کرو۔

اسی طرح اس نے اسے العفو لینے کا حکم دیا ہے:

☆ خُذِ الْعَفْوَ (7:199)-

اَلْعَفْو وصول کرو۔

ان احکامِ الٰہیہ کے باوجود جو لوگ انفاق بالعفو کو اختیار مانتے ہیں' وہ اصل میں قرآن حکیم کا انکار کرتے ہیں' مگر اس کا شعور نہیں رکھتے۔

4- اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے واضح طور پر ہمیں حکم دیا ہے:

☆ وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ (3:103)-

مسلمانو! تم سب مل کر اور متفق و متحد ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو! یعنی تم سب قرآن مجید کے قوانین و احکام اور تعلیمات پر سختی سے عمل کرو' لیکن فرقے فرقے نہ ہو جانا۔

لیکن جن لوگوں نے دین کو مذاہب یا فرقوں میں منقسم کر لیا ہے' وہ مشرک ہیں اور ان کا نبی اکرم ﷺ سے کوئی تعلق نہیں رہتا اور نہ مسلمانوں سے۔ ارشاد ہوتا ہے:

☆ اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَ كَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ (6:159)-

یقیناً جن لوگوں نے اپنے دین کو مذاہب و فرقوں میں تقسیم کر لیا ہے اور الگ الگ گروہ گروہ بن گئے ہیں' ان کا آپ سے کوئی تعلق نہیں' یعنی وہ نبی اکرم ﷺ کے امتی نہیں رہے۔

دوسرے مقام پر ایسے تمام فرقوں اور مذاہب کے ماننے والوں کو مشرک کہا گیا ہے:

☆ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ O مِنَ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَ كَانُوۡا شِیَعًا كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا لَدَیۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ (30:31-32)-

(مسلمانو!) دیکھو! ان مشرکوں میں سے نہ ہو جانا' جنہوں نے اپنے دین کو الگ الگ فرقوں میں منقسم کر دیا ہے اور الگ الگ گروہ بن گئے ہیں' اور ہر گروہ کے پاس جو ہے' (یعنی عقائد' روایات اور فقہ وغیرہ وغیرہ کی کتب) وہ ان پر فخر کرتا ہے۔

یہ آیاتِ تنذیری ان مسلمانوں کے لئے آئینۂ عبرت ہیں' جو اپنے آپ کو سنی یا اہلِ سنت و الجماعت' شیعہ یا اہلِ تشیع' اسماعیلی' سلفیہ' اہلِ حدیث' حنبلی' حنفی' مالکی اور شافعی' نیز دیو بندی' بریلوی وغیرہ وغیرہ متعدد ناموں سے موسوم کرتے اور فخر کرتے ہیں' نیز ہر فرقہ صرف اپنے آپ کو راہ راست پر بلکہ ناجی سمجھتا ہے' حالانکہ قرآن حکیم کی محولۂ بالا آیات کی رو سے وہ سب منکر قرآن ہیں۔

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآنِ مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو DVD پر دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔

قیمت 20 کراؤن فی سی۔ڈی علاوہ ڈاک خرچ میں طلب کیجئے۔

سی ڈی اور کتب کی خریداری

☆ بیرون ملک bazmdenmark@gmail.com

☆ اندرون ملک' فون: 5753666 42 92+' ای میل: trust@toluislam.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ادارہ)

گرانی کا طوفان اور عیدالاضحیٰ

(سپیشل رپورٹ)

(یہ رپورٹ روزنامہ آواز لاہور میں 4 نومبر 2010 کو شائع ہوئی۔ اس رپورٹ کی اہمیت کے پیش نظر اسے بشکریہ روزنامہ آواز لاہور ماہنامہ طلوع اسلام لاہور کی زینت بنایا جا رہا ہے)

کہتے ہیں کہ بچت ایک ایسا فارمولا ہے جو انسان کو کبھی مفلوک الحال نہیں ہونے دیتا۔ اس سلسلے میں دوسرا نظریہ یہ بھی ہے کہ زیادہ سے زیادہ خرچ کرو تاکہ معاشرے میں پیسے کی گردش بڑھے اور لوگوں کو روزگار ملے' جو نہ بچت کر سکتے ہوں اور نہ خرچ' وہ دونوں طبقوں کے لئے دعا کریں۔ عیدالاضحیٰ کا تہوار دوسری کیٹیگری میں آتا ہے' یہ واقعی ایسا تہوار ہے جس میں پیسے کی گردش بڑھ جاتی ہے اور اس سے معاشرے کے بہت سے طبقے مستفید ہوتے ہیں' جانوروں کے فروشندے دیہات سے شہر لانے والے ٹرک کے مالک' منڈی سے گھر تک پہنچانے والی پک اپ گاڑیوں کے مالک' قصاب' چارہ' چھریاں' چٹائیاں' بغدے' ہار گھنٹیاں اور اسی طرح کی دوسری چیزیں فروخت کرنے والے' قیمہ بنانے والے' کھال اور چربی جمع کرنے والے' ویٹرنری ڈاکٹر' مویشیوں کی دوائیں اور انجکشن فروخت کرنے والے' سرکاری طور پر بھتہ' فیس اور نذرانے وصول کرنے والے' ان میں زیادہ تر اوسط اور غریب طبقے کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔

ملک کے مختلف حصوں میں سرکاری طور پر منڈیاں لگتی ہیں' ویسے ہر کھلا میدان چھوٹے جانوروں کی منڈی نظر آتا ہے۔ کراچی کی سب سے بڑی منڈی سہراب گوٹھ ہے جو ایک اچھے خاصے قصبے کی شکل اختیار کر لیتی ہے اس منڈی میں ابھی زیادہ جانور نہیں آئے' ان کے لئے شامیانے لگائے گئے ہیں' روشنی اور پانی کا معقول انتظام نظر آتا ہے' ہر آنے والی گاڑی سے تیس روپے فیس وصول کی جاتی ہے' اس وقت زیادہ تر تنومند وہ بیل ہیں جن کو قربانی کے لئے پالا گیا ہو' بعض فارم بھی اپنے جانور لائے ہیں' ایک بیل کی قیمت دو لاکھ بتائی گئی' دوسرے کی تین لاکھ تھی' بیلوں کی ایک جوڑی کی قیمت آٹھ لاکھ معلوم ہوئی'

ابھی کم قیمت کے جانور نظر نہیں آ رہے' عید کے قریب ان کی کثرت ہو جائے گی مگر اندازہ ہے کہ ایک معمولی گائے پچاس ہزار سے کم میں نہیں ملے گی۔

ملک میں لائیو اسٹاک بشمول پولٹری کی بڑی اہمیت ہے مجموعی ملکی پیداوار میں اس شعبے کا حصہ 11.5 فیصد کے مساوی ہے' ملک میں 34 ملین گائے بیل' 31 ملین بھینس' 60 ملین بکرے' بکریاں اور 28 ملین دنبے اور بھیڑیں ہیں مگر زیادہ تر ان کی حالت اچھی نہیں' دودھ کا اوسط بہت کم ہے' خیبر پختونخوا میں اوسطاً ایک گائے سے سال بھر میں 900 لیٹر اور بھینس سے 1200 لیٹر دودھ حاصل ہوتا ہے' البتہ سندھ میں ریڈ سندھی اور کنڈی' پنجاب میں نیلی راوی اور شاہی والی اچھی نسل کے جانور ہیں ان سے دودھ کی بڑی مقدار حاصل ہوتی ہے' یہی صورت گوشت کی ہے اور معمولی بھیڑ سے بمشکل 10 کلو گوشت ملتا ہے جب کہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں ایک بھیڑ میں اس سے دگنا گوشت ہوتا ہے۔ ملک میں دودھ کی کل پیداوار 44 لاکھ ٹن ہے وہ دودھ جو انسانوں کے صرف میں آتا ہے' 36 لاکھ ٹن ہے' 15 فی صد دودھ منتقلی میں ضائع ہو جاتا ہے اور 5 فیصد بچھڑے پی لیتے ہیں' دودھ کی اتنی بڑی مقدار کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے کوششیں ہو رہی ہیں۔

ہمارے ہاں گوشت کی پیداوار 30 لاکھ ٹن ہے اس میں 17 لاکھ ٹن گائے اور بیلوں کا گوشت ہوتا ہے اور 800 ٹن مرغی کا' اس سلسلے میں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ پاؤڈر اور منجمد دودھ باہر سے آتا ہے' جب کہ مویشی اور ان کی پیداواریں سرکاری طور پر برآمد کی جاتی ہیں مگر زیادہ جانور بلوچستان اور خیبر پختونخوا سے ایران اور افغانستان اسمگل کئے جاتے ہیں' ان جانوروں میں بھارت سے سمگل ہو کر آنے والے جانور شامل ہیں۔ سبھی کو اس کا علم ہے کہ حالیہ سیلابوں سے زرعی شعبے کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ اس میں لائیو اسٹاک بھی شامل ہے' ایک ادارے کے سروے سے معلوم ہوا کہ ایک لاکھ 7 ہزار ہر قسم کے مویشی' تین ہزار مچھلی گھر اور دو ہزار مرغی خانے سیلاب کی نذر ہو گئے۔ چنانچہ مویشی کی جملہ پیداواروں کی قلت ہو گئی اور ان کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ اسلام آباد میں دودھ کمپنیوں نے یوٹیلٹی اسٹوروں کو روزانہ کے بجائے ہر دوسرے روز سپلائی شروع کر دی' نصف اور پاؤ لیٹر کے پیکج بند کر دیئے' اب دودھ 56 سے 60 روپے لیٹر فروخت ہو رہا ہے' ایک سال قبل ملک میں برائلر مرغی کا گوشت 70 اور بکرے کا 260 روپے کلو تھا' اب مرغی 250' بکرا 460 اور گائے کا گوشت 300 روپے کلو فروخت ہو رہا ہے' پشاور کے قصابوں نے دھمکی دی ہے کہ اگر افغانستان جانوروں کی سمگلنگ نہ روکی گئی تو چھوٹا گوشت ہزار روپے کلو تک پہنچ سکتا ہے۔ ملک میں سب سے زیادہ جانور خصوصاً گائیں عیدالاضحیٰ پر ذبح ہوتی ہیں کیا ہم قربانی کرنے سے

ان کی تعداد گھٹا سکتے ہیں۔

خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کی جانب سے کئی سال سے حجاج کرام کو ایک قرآن شریف مع اردو ترجمہ وتفسیر ہدیتاً تقسیم کیا جاتا ہے' اس کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں۔ اس میں سورہ الحج کی آیات 37-36 تک حج کی قربانیوں کا ذکر ہے' تفسیر میں ان کی تشریح کی گئی' ایک اہم بات تو یہ کہی گئی کہ ''اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ ان کے خون' بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیز گاری پہنچتی ہے۔ (37) نیز ان آیات کی جو تفاسیر دی گئی ہیں ان میں یہ جملے موجود ہیں ''منکرین حدیث یہ استدلال کرتے ہیں کہ قربانی صرف حاجیوں کے لئے ہی ہے''۔ دیگر مسلمانوں کے لئے یہ ضروری نہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں' قربانی کرنے کا مطلق حکم بھی دوسرے مقام پر موجود ہے۔ قربانی کا حکم ہر مسلمان کے لئے ہے وہ جہاں بھی ہو' کیوں کہ حاجی تو عیدالاضحیٰ کی نماز ہی نہیں پڑھتے' تاہم یہ واجب نہیں' سنت موکدہ ہے' اسی طرح دکھلاوے کی نیت سے کئی کئی قربانیاں کرنے کا رواج بھی خلاف سنت ہے' حدیث کے مطابق پورے گھر کے افراد کی طرف سے ایک جانور کی قربانی کافی ہے۔

(1) پاکستان کے مسلمان خصوصی طور پر سیاسی اور دیگر امور میں سعودیہ کی جانب دیکھتے ہیں تو کیا قربانی کے معاملے میں اس کی پیروی کرنے پر تیار نہیں خصوصاً ایسے وقت جب کہ ملک میں جانوروں کی قلت ہو اور بے تحاشہ قربانیوں سے مزید کمی ہو جائے اور ملک کو غذا کے لئے گوشت اور بچوں کو پرورش کے لئے دودھ نہ مل سکے۔

(2) رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق چند دنوں کے لئے قربانی کا گوشت رکھ سکتے ہیں۔ عوام کی کوشش ہونی چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو گوشت سیلاب زدگان تک پہنچائیں' سڑکوں پر قربانی سے گریز کریں' کھال صحیح مستحق کو دیں' آلائش کو جلد از جلد ٹھکانے لگا کر اپنی ذمہ داری پوری کریں اور دکھلاوے' نمائش اور نام ونمود کے حصول کے لئے قربانی نہ کریں۔

(رپورٹ ختم)

☆☆☆☆☆☆

مندرجہ بالا رپورٹ میں سورہ الحج کی آیات 36 اور 37 کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان دونوں آیات اور سورہ الحج کی آیات 28,27 اور 33 کا ترتیب وار ترجمہ خادم الحرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کی جانب سے کئی سالوں سے حجاج کرام کو مع ترجمہ اور تفسیر ہدیتاً تقسیم کئے جانے والے قرآن کریم سے پیش کیا جارہا ہے:

1- آیات 28,27 کا ترجمہ: اور لوگوں میں حج کی منادی کردے لوگ تیرے پاس پا پیادہ بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے۔ اپنے فائدے حاصل کرنے کو آجائیں اور ان مقررہ

دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں۔ پس تم بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔

-2 آیت 33 کا ترجمہ: ان میں تمہارے لئے ایک مقررہ وقت تک کا فائدہ ہے۔ پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ خانہ کعبہ ہے۔

-3 آیت 36 کا ترجمہ: قربانی کے اونٹ ہم نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں مقرر کر دی ہیں۔ ان میں تمہیں نفع ہے۔ پس انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو' پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں اسے (خود بھی) کھاؤ اور مسکین سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ' اسی طرح ہم نے چوپایوں کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے کہ تم شکر گزاری کرو۔

-4 آیت 37 کا ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ ان کے خون بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیزگاری پہنچتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع کر دیا ہے کہ تم اس کی راہنمائی کے شکریئے میں ان کی بڑائیاں بیان کرو' اور نیک لوگوں کو خوشخبری' سنا دیجئے۔

ان آیات کے تراجم سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ قرآن کی رو سے:

(1) قربانی صرف حج کے موقع پر ہے۔

(2) قربانی کا مقام مکہ معظّمہ ہے جہاں حج ہوتا ہے۔

(3) قربانی سے مقصود یہ ہے کہ ان جانوروں کا گوشت کھایا جائے۔

ان حقائق سے یہ واضح ہو گیا کہ:

(الف) حج کے علاوہ کسی اور تقریب پر قربانی کا ذکر نہیں۔

(ب) مکہ معظّمہ کے علاوہ اور کسی مقام پر قربانی نہیں۔

(ج) جس جانور کا گوشت کھانے کے کام نہ آئے اسے قربانی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس کا صرف خون بہایا گیا ہے اور خون اللہ تک نہیں پہنچتا۔ لہٰذا ایسا کرنا اسراف ہے۔ یعنی بے نتیجہ اور بے مصرف ایک جانور کا ضائع کر دینا۔

فلھٰذا

یہ جو عید کی تقریب پر دنیا بھر کے شہروں اور دیہات میں قربانیاں دی جاتی ہیں' ان کا حکم تو ایک طرف' کہیں ذکر بھی قرآن میں نہیں بلکہ یہ قرآن کے حکم کے خلاف ہے کیونکہ جب قرآن نے قربانی کے مقام کو بالتصریح معین کر دیا ہے تو اس معین کو عام کر دینا قرآنی منشا کے خلاف ہے۔ مثلاً قرآن نے نماز کے لئے سمت قبلہ کو معین کر دیا ہے اس کے بعد ہر طرف منہ کر کے نماز پڑھنا قرآنی حکم کے خلاف ہوگا۔ قرآن میں قطعیت کے ساتھ یہ کہیں نہیں آیا کہ مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے میں بستے ہوں ذی الحج کی فلاں تاریخ کو قربانی کیا کریں۔

بعض لوگ سورہ الکوثر کی دوسری آیت: فصل

لربك وانحر O کا ترجمہ ''پس تو اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی کر'' کے قربانی کے معین مقام یعنی مقام حج (مکہ معظّمہ) کو عام کر کے ساری دنیا کو مقام قربانی سمجھتے ہیں جو ہرگز ٹھیک نہیں کیونکہ نماز پڑھنا فرض ہے بالکل اسی طرح قربانی کرنا بھی فرض قرار پائے گا نا کہ سنت جب کہ جمہور میں مشہور و معروف عقیدہ ''قربانی سنت'' کا ہے۔ **صل** کے لئے قرآن نے سمت قبلہ کا تعین فرما دیا ہے۔ اسی طرح **وانحر** کے لئے بھی کعبہ کے مقام کا تعین کر دیا ہے لہٰذا جس طرح صل (نماز) کے لئے سمت قبلہ ضروری ہے اسی طرح **نحر** (قربانی) کے ئے مقام کعبہ ضروری ہے۔ نہ سمت قبلہ کے بغیر (ہر طرف رخ کر کے) صلوٰۃ ہوسکتی ہے نہ مقام کعبہ کے بغیر (ہر مقام) پر قربانی۔ **نحر** کے معنی اگر قربانی لئے جائیں تو یہ اونٹ کی قربانی کے لئے مختص ہے۔ زادالمعاد میں علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ حج 9 ھ میں فرض ہوا۔ اس سال غزوۂ تبوک سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو کم و بیش تین سو مسلمانوں کے ہمراہ حج کے لئے بھیجا اور اپنے قربانی کے بیس اونٹ جن کے گلوں میں خود اپنے ہاتھ سے قلاوے پہنائے تھے' ان کے ساتھ کر دیئے۔ دوسرے سال 10 ھ میں حضور اکرم ﷺ نے خود حج کیا اور مکہ میں سو اونٹوں کی قربانی کی۔ الغرض حج کی فرضیت کے بعد دو سال آپ ﷺ زندہ رہے اور دونوں سال آپ ﷺ کی طرف سے اونٹوں کی قربانی مکہ میں ہوئی۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ 9 ھ کو بیس اونٹوں کی اور 10 ھ میں سو اونٹوں کی نبی کریم ﷺ کی طرف سے حج کے مقام پر قربانی سب حاجیوں اور فقیروں اور سائلوں کے لئے تھی کیونکہ دیگر صحابہؓ مثلاً ابوبکرؓ و علیؓ وغیرہ کی مقامِ حج پر اپنی اپنی قربانیوں کا ذکر نہیں ملتا۔

5 مارچ 2001ء کے روزنامہ جنگ لاہور میں مندرجہ ذیل خبر شائع ہوئی۔

ریاض (جنگ نیوز) سعودی مفتی شیخ عبدالعزیز نے کہا ہے کہ عید قربان پر جانور کی قربانی لازمی نہیں۔ ایک سعودی اخبار کے مطابق مفتی شیخ عبدالعزیز نے کہا کہ جانور کی قربانی اسلامی روایت کا حصہ ہے۔''

یکم جولائی 2009ء کو روزنامہ دن لاہور میں درج ذیل خبر چھپی۔

''حج کی بجائے فلاحی کاموں میں رقم خرچ کی جائے۔ تاجک صدر۔

حج کے لئے مختص رقم سے ضرورت مند خاندانوں کو مشکلات سے نجات دلائی جائے' عوام سے اپیل

دوشنبے (مانیٹرنگ ڈیسک) تاجکستان کے صدر امام علی رحمانوف نے اپنی عوام سے اپیل کی ہے کہ ملک کی ابتر اقتصادی صورتحال کے پیش نظر لوگ حج کی بجائے حج کے لئے مختص رقم کو فلاحی کاموں میں صرف کریں۔ انہوں نے کہا کہ فلاحی کاموں میں رقم صرف کرنے سے ضرورت مند خاندانوں کو مشکلات سے نجات دلائی جا سکتی ہے۔ نجی ٹی وی

کے مطابق تاجکستان سے ہر سال 5 ہزار افراد فریضہ حج کے لئے سعودی عرب جاتے ہیں۔''

قرآن کی روشنی میں قربانی کا مسئلہ اوپر واضح کر دیا گیا ہے۔ سعودی مفتی کا فرمان اور تاجک صدر کی عوام سے اپیل کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے قربانی کے لئے مختص رقم عوام اور خصوصاً سیلاب زدگان کی فلاح و بہبود اور آبادکاری کے لئے صرف کی جاسکتی ہے اور جانوروں کی قلت، دودھ کی کمی اور گرانی کے طوفان سے بچا جاسکتا ہے۔

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	160/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	325/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	325/-
سورہ النحل	(16)	334	250/-	سورہ یٰسین	(36)	164	125/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	275/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	325/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	325/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	325/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	275/-				
سورۃ الانبیآء	(21)	336	225/-				
سورۃ الحج	(22)	380	275/-				
سورۃ المؤمنون	(23)	408	300/-				
سورۃ النور	(24)	264	200/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	275/-				
سورۃ الشعرآء	(26)	454	325/-				
سورۃ النمل	(27)	280	225/-				
سورہ القصص	(28)	334	250/-				
سورہ عنکبوت	(29)	388	275/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)، 25/B، گلبرگ 2، لاہور، فون نمبر: +92-42-3571 4546

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیرو پوائنٹ

جاوید چودھری
javedch100@gmail.com

فیس بک

ہمیں جواب سے پہلے سرسید احمد خان کی زندگی پر نظر ڈالنا ہوگی' 1861ء میں یوپی کے انگریز گورنر سر ولیم میور نے نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے بارے میں ایک گمراہ کن کتاب لکھی' یہ کتاب پڑھ کر برصغیر کے مسلمان تلملا اٹھے اور اس وقت کے تمام علماء اساتذہ' مفتیان اور چھوٹے بڑے کاروباری حضرات نے بطور احتجاج انگریزی تعلیم' انگریزی کتابوں' انگریز اساتذہ اور پادریوں کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا' علمائے کرام سارا سارا دن مسجدوں میں بیٹھ کر انگریزوں کو جہنم واصل ہونے کی وعید سناتے رہتے' مسلمان نوجوان عیسائیوں کے گرجا گھروں پر حملوں کے منصوبے بناتے رہتے جبکہ عام شہریوں نے انگریزوں کی نوکریوں کا بائیکاٹ شروع کر دیا تھا' اس وقت ہندوستان میں چندہ جمع کرنے کی مہم بھی شروع ہوئی' مسلمانوں نے ایک خفیہ تنظیم بنائی جس نے گھر گھر جا کر چندہ جمع کرنا شروع کیا۔ اس تنظیم کا کہنا تھا اس رقم سے فدائی تیار کریں گے اور یہ فدائی ولیم میور کو ڈھونڈ کر قتل کر دیں گے' یہ لوگ بڑی مدت تک چندہ جمع کرتے رہے لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا' ہندوستان کے مسلمانوں نے بطور احتجاج اپنے بچوں کو سرکاری سکولوں سے بھی اٹھا لیا' ان کا کہنا تھا جب تک ولیم میور معافی نہیں مانگے گا اس وقت تک ہم اپنے بچے سکول نہیں بھجوائیں گے لیکن اس سارے ''کراؤڈ'' میں سرسید احمد خان واحد ہندوستانی مسلمان تھے جنہوں نے کتاب کا جواب کتاب سے دینے کا فیصلہ کیا' سرسید نے بھانپ لیا اگر ہندوستان کا کوئی بھی مسلمان بچہ سرکاری سکول میں نہیں جاتا تو انگریز حکومت کو کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن اگر ہندوستان کے کسی سکالر نے ولیم میور کی کتاب کا دلیل کے ساتھ جواب دے دیا تو انگریزی معاشرے' انگریزی سکالرز اور انگریز کے پڑھے لکھے طبقوں کو بہت فرق پڑے گا چنانچہ سرسید احمد خان نے سامان باندھا' یہ چھ ماہ کا بحری سفر کر کے لندن پہنچے اور انگریزوں کی لائبریریوں کی خاک چھاننا شروع کی' وہ دو سلائس' ایک انڈے اور کافی کے ایک کپ پر سارا سارا دن گزارتے تھے' وہ برفیلی صبحوں میں صرف پائجامے اور

کرتے میں لائبریری تک پہنچتے تھے' انہوں نے وہاں اپنی انگریزی کو بہتر بنایا اور 8 سال کی محنت کے بعد ایک معرکتہ الآرا کتاب لکھی' اس کتاب نے نہ صرف یورپ کے باشعور طبقے کو ہلا کر رکھ دیا بلکہ دوسرے گستاخ مصنفوں کے گستاخ ہاتھ بھی روک دیئے۔ سرسید احمد خان کی اس کتاب کے بعد ثابت ہو گیا بچوں کو سکولوں سے اٹھانے' انگریزی کتابوں کے بائیکاٹ اور مسجدوں' درگاہوں اور مدرسوں میں انگریزوں کو بددعائیں دینے کا طریقہ غلط تھا اور سرسید احمد خان کی اپروچ درست۔ کیونکہ کتاب کا جواب کتاب اور دلیل کا جواب دلیل سے دینا بہترین طریقہ ہے۔

دنیا میں احتجاج کے دو طریقے ہوتے ہیں' ایک بائیکاٹ اور دوسرا میدان میں اتر کر اسی ٹیکنالوجی' اسی تکنیک اور اسی ہتھیار سے دشمن کا مقابلہ کرنا جس پر آپ کے دشمن کو غرور ہے' جسے وہ اپنی کامیابی قرار دے رہا ہے۔ چند ماہ قبل فیس بک پر نبی اکرمﷺ کے بارے میں ایک گستاخانہ پیج بنا تھا' میں نے یہ پیج نہیں دیکھا کیونکہ میں گستاخی پر مبنی کوئی چیز دیکھنا' سننا یا پڑھنا گناہ سمجھتا ہوں تاہم میں اس پیج کے بارے میں خبریں اور ایس ایم ایس ضرور پڑھتا رہا' ان خبروں اور ان ایس ایم ایس میں نبی اکرمﷺ سے محبت کا واسطہ دے کر مسلمانوں سے فیس بک کے بائیکاٹ کی اپیل کی جاتی تھی' اس کا یہ نتیجہ نکلا پاکستان کے لاکھوں بچوں اور بچیوں نے فیس بک استعمال کرنا بند کر دی' میں اس وقت بھی اس رویے کا مخالف تھا اور میں آج بھی اس ردعمل کو غلط سمجھتا ہوں' میں ایسے معاملات میں سرسید احمد خان کا مقلد ہوں اور میں بائیکاٹ کو کمزوری یا بزدلی سمجھتا ہوں۔ میرا خیال ہے ہمیں میدان میں رہ کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ فیس بک ایک سوشل میڈیا ہے جس پر دنیا کا کوئی بھی شخص کسی بھی قسم کا پیج بنا سکتا ہے اور فیس بک کی انتظامیہ رنگ' نسل' مذہب اور روایت کی تفریق کے بغیر اسے اس کا پورا پورا موقع دیتی ہے۔ فیس بک کی اس پالیسی کا چند شرپسند لوگوں نے غلط فائدہ اٹھایا اور انہوں نے اس پر گستاخانہ پیج بنا دیا' ہمیں اس گستاخی پر فیس بک کے بائیکاٹ کی بجائے دو کام کرنے چاہئے تھے۔ اول' ہم فیس بک کی انتظامیہ کو اپنے مذہبی جذبات سے آگاہ کرتے' ہم اسے بتاتے عالم اسلام اس گستاخی پر ناراض ہے چنانچہ یہ صفحہ فوری طور پر بند کر دیا جائے اور آئندہ کوشش کی جائے فیس بک پر اس قسم کی گستاخی نہ ہو اور دوم' ہم لوگ اسلامی دنیا کا کوئی اپنا سوشل میڈیا بنا لیتے' اس سوشل میڈیا پر 58 اسلامی ممالک کے بھائی اور بہنیں فیس بک کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ انٹرایکشن کرتے اور اس اسلامی سوشل میڈیا کی کامیابی فیس بک جیسے اداروں کو پریشان کر دیتی لیکن ہم ان دونوں آپشنز کی طرف جانے کی بجائے ناراض ہو کر بیٹھ گئے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر بائیکاٹ ہی اس مسئلے کا حل ہے تو پھر ہمیں سب سے پہلے کمپیوٹر کا بائیکاٹ کرنا

چاہئے کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو فیس بک نہ ہوتی، ہمیں پھر گوگل کا بائیکاٹ کرنا چاہئے جس نے فیس بک جیسی ویب سائیٹ کوتحریک دی تھی اور ہمیں پھر ای میل کا بائیکاٹ کرنا چاہئے جو سارے مسائل کی والدہ ہے اور اس کے بعد بھی ہم اگر مطمئن نہیں ہوتے تو پھر ہمیں بجلی اور ٹیلی فون لائن کا بائیکاٹ کر دینا چاہئے کیونکہ اگر یہ دونوں نہ ہوتیں تو کبھی فیس بک پر گستاخانہ پیج نہ بنتا اور اگر اس سے بھی ہماری تسلی نہیں ہوتی تو پھر ہمیں انگریزی زبان کا بائیکاٹ کر دینا چاہئے جو آج کل ہر قسم کی گستاخی کا ذریعہ ہے۔ فیس بک کا بائیکاٹ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ہم کسی گستاخانہ کتاب کی اشاعت پر پرنٹنگ پریس، سیاہیوں اور کاغذ کی صنعت کا بائیکاٹ کر دیں، کیا اس نوعیت کا بائیکاٹ ٹھیک ہوگا؟ مجھے یقین ہے آپ کا جواب نفی ہوگا۔

میں آج تک یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکا کہ عقیدت اور پیروی میں افضل کون ہے، ہم سب نبی اکرمﷺ کی ذات سے عقیدت کا اظہار کرتے ہیں، ہم عشق رسولﷺ اور غلامی رسولﷺ میں موت تک قبول کر لیتے ہیں، اچھی بات ہے، یہ محبت، یہ عشق اور یہ عقیدت ہمارے ایمان کا حصہ ہونی چاہئے لیکن ساتھ ہی سوال پیدا ہوتا ہے کیا ہم اس رسولﷺ کی کسی بات پر عمل بھی کرتے ہیں جس کی عقیدت کے ہم دعویدار ہیں؟ کیا ہم نے رسول اللہﷺ کے فرمان کے مطابق جھوٹ بولنا چھوڑ دیا ہے، کیا ہم ظالم کو ظالم کہہ رہے ہیں، کیا ہم نے کم تولنا اور وعدہ خلافی چھوڑ دی ہے، کیا اس اسلامی ملک میں یتیموں اور بیواؤں کو تمام حقوق مل رہے ہیں اور کیا ہم صبح سے رات تک ایک دوسرے کی غیبت نہیں کرتے؟ اور کیا ہماری زندگیوں میں ہمارے رسولﷺ کے اسوہ حسنہ کی جھلک دکھائی دیتی ہے؟ نہیں، افسوس نہیں۔ اس پورے ملک میں شاید ہی کوئی شخص ہو جو صبح سے لے کر رات تک رسول اللہﷺ کے اسوہ حسنہ کے مطابق زندگی گزارتا ہو لیکن اس کے باوجود ہم رسول اللہﷺ سے عقیدت کے نعرے بھی لگاتے ہیں، یہ کیسی محبت ہے جس میں عقیدت تو ہے لیکن پیروی نہیں! مجھے بتایئے کیا نبی اکرمﷺ نے جدید ٹیکنالوجی کے بائیکاٹ کا حکم دیا تھا؟ آپ کا اسوہ حسنہ تو یہ تھا کہ جنگ بدر کے بعد وہ کفار گرفتار ہو کر آپﷺ کے سامنے لائے گئے جو آپ کے راستے میں کانٹے بچھاتے تھے اور آپ جب خانہ کعبہ میں نماز ادا کرتے تھے تو یہ لوگ آپ پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دیتے تھے لیکن آپﷺ نے ان سے کہا آپ اگر ہمارے صحابہؓ کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں تو آپ اپنے گھروں کو واپس جا سکتے ہیں، یہ ہے ہمارے رسولﷺ کا اسوہ حسنہ یعنی جدید ترین علم اور جدید ترین ٹیکنالوجی کے عوض جنگ میں غلام بنائے گئے کفار کو بھی معاف کر دیا جائے جبکہ ہم اس رسولﷺ کے نام پر جدید ٹیکنالوجی کا بائیکاٹ کر رہے ہیں، مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی۔ میرا خیال ہے ہمیں سرسید احمد خان کا طریقہ

استعمال کرنا چاہئے' ہمیں رسول اللہﷺ کی پیروی کے ساتھ ساتھ جدید سائنسز کے میدان میں کھڑے ہو کر اپنی صلاحیتوں کو منوانا چاہئے' ہمیں فیس بک کا جواب فیس بک کے ذریعے دینا چاہئے' ہمیں ثابت کرنا چاہئے ہم ایک ایسی نبی کی امت ہیں جو بائیکاٹ نہیں کرتا تھا' جو علم کا علم' ٹیکنالوجی کا ٹیکنالوجی' ادب کا ادب' طاقت کا طاقت اور اخلاقیات کا اخلاقیات کے میدان میں مقابلہ کرتا تھا اور جس نے علم کو مذہب' سیاست اور معاشرے کی بنیاد بنایا تھا۔

میں نے چند دن قبل فیس بک جوائن کی' تھوڑے عرصے میں ہمارے صفحے کو چوبیس ہزار لوگوں نے جوائن کر لیا' ہم اس کی تعداد لاکھوں تک لے جانا چاہتے ہیں' ہماری خواہش ہے یہ اسلامی دنیا کا سب سے بڑا صفحہ بنے اور ہم اس پیج کے ذریعے اپنے نبیﷺ کے احکامات کی ترویج بھی کریں' ان کی ناموس کی حفاظت بھی کریں اور اس علم کی نشر و اشاعت کا باعث بھی بنیں جسے رسول اللہﷺ نے مومن کی کھوئی میراث قرار دیا تھا چنانچہ آپ لوگ بائیکاٹ معطل کر کے' اس صفحے پر آ کر اپنے اچھے اور نیک خیالات دوسروں کے ساتھ شیئر کریں تاکہ علم اور نیکی آگے بڑھ سکے' ہم ثابت کر سکیں ہم فیس بک پر رہ کر فیس بک پر ہونے والے پروپیگنڈے کا مقابلہ کریں گے۔

نوٹ: آپ فیس بک پر مجھ سے
www.facebook.com/javed.chaudhry
پر رابطہ کر سکتے ہیں' ہم سب دوست وہاں موجود ہیں۔

(روزنامہ ایکسپریس لاہور' جمعرات 14 اکتوبر 2010ء)

سانحہ ہائے ارتحال

خواجہ ازہر عباس صاحب کے بھائی خواجہ نیرّ عباس گذشتہ دنوں طویل علالت کے بعد رحلت فرما گئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق۔ ادارہ خواجہ ازہر عباس اور مرحوم کے دیگر اعزہ واقربا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

بزمِ طلوعِ اسلام فتح پور سوات کا دیرینہ' مخلص اور بے باک کارکن اور کانجو ڈیرئی امن کمیٹی کا ممبر فضل سبحان نامعلوم افراد کی فائرنگ سے اکتوبر کے آخری ہفتے میں شہید کر دیے گئے جس سے سوات بزم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ ادارہ بزم سوات کے تمام احباب' مرحوم کے تمام اعزہ واقربا و پس ماندگان کے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش خیال

عرفان صدیقی
irfan.siddiqui@janggroup.com.pk

آغا جی

آغا شورش کاشمیری مرحوم کو اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ کیا دبدبہ اور طنطنہ رکھنے والا شخص تھا۔ اقتدار کے پجاری' شکم پرست حواری' حیا باختہ درباری اور قلم فروش لکھاری اس کے نام سے کانپتے تھے۔ کشمیر کی رعنائیوں میں گندھے' مردانہ وجاہت کے حامل' تنومند اور طویل القامت شخص کی بدن بولی میں ایسا جلال و جمال تھا کہ کسی کو اس کے مدمقابل کھڑا ہونے کا یارا نہ تھا۔ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے بعد وہ اس سرزمین کا سب سے بڑا خطیب تھا۔ لفظ اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے۔ اس کی تقریر میں آبشاروں کا ترنم بھی تھا اور بجلیوں کا کڑکا بھی۔ بولتا تو لاکھوں کا مجمع پتھر کی مورتیوں میں ڈھل جاتا۔ میں نے خود اس کی خطابت کا سحر دیکھا ہے۔ لیاقت باغ کے اس جلسے کا منظر آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے جس کی صدارت نواب زادہ نصر اللہ خان مرحوم کر رہے تھے اور جس میں آغا شورش ذوالفقار علی بھٹو پہ اس بری طرح برسے تھے کہ کئی روز جل تھل کا سماں رہا۔ یہ بوڑھا ہوتا ہوا شورش تھا جسے ذیابیطس نے ناتواں کر دیا تھا لیکن اس کی آواز میں آج بھی شیروں کی سی گرج تھی اور لفظ آج بھی اس کے حضور دست بستہ کھڑے تھے۔ وہ عشاء کے بعد تقریر شروع کرتے تو فجر کی اذان تک مجمع جھومتا رہتا۔ اس جیسی کاٹ دار اور تاب دار زبان لکھنے والا صحافی شاید صدیوں میں پیدا ہو۔ وہ کسی کا تعاقب شروع کرتا تو اس وقت تک پیچھے پلٹ کے نہ دیکھا جب تک مدمقابل کے پیرہن کا ایک ایک تار آوارہ خوہواؤں کی نذر نہ ہو جاتا۔ اقتدار پرست فرزندان وقت ہوں یا مفادات کی چراگاہوں میں منہ مارتے سیاسی ملا' کوئی اس سے محفوظ نہ تھا۔ اس کے شعر کا تیکھا پن شاید ہی کسی دوسرے کو نصیب ہوا ہو۔ مولانا ظفر علی خان مرحوم نے اس کے بارے میں کہا تھا۔

شورش سے مرا رشتہ ہے اور وہ ازلی ہے
میں وقت کا رستم ہوں تو وہ ثانی سہراب

کیا ہمہ جہت، ہمہ صفت شخص تھا کہ غربت کے ظلمت کدے میں آنکھ کھولی۔ نوعمری میں ہی سامراج شکن سیاست کی طرف نکل گیا۔ اپنی محنت، لگن اور جہدِ پیہم سے ان بلندیوں تک پہنچا جو صرف تیشہ فرہاد رکھنے والے کسی کوہکن کو میسر آتی ہیں۔ انگریز کے عہدِ ستم میں اس نے بیس عیدیں سامراج کی قید میں گزاریں۔

دس سال قید و بند میں دفنا چکا ہوں میں
یہ خدمت وطن کا صلہ پا چکا ہوں میں
برطانیہ سے روز نبرد آزما رہا
اس جرم بے خطا کی سزا پا چکا ہوں میں
کوندا ہوں مثل برق پس پردہ سحاب
ظلمات روزگار کو لرزا چکا ہوں میں

جب صبح آزادی طلوع ہوئی اور چمن آراستہ ہوا تو شورش کا اس میں کچھ حصہ نہ تھا۔ اس کے جنوں کی شورش پہلے کی طرح قائم رہی۔ اب نئے فرعون اس کی ضرب کلیمی کی زد میں تھے ایک بار پھر زندانوں کی کال کوٹھڑیاں اس کا مقدر ٹھہریں۔

مرے قلم نے مذاق حیات بدلا ہے
بلندیوں پہ اڑا ہوں سما سے کھیلا ہوں
بڑے بڑوں کی فضیلت کے بل نکالے ہیں
دراز دستی پیک قضا سے کھیلا ہوں
رہا ہوں قید مشقت میں دس برس شورش
ہر ایک حلقہ زنجیر پا سے کھیلا ہوں

تین چار روز قبل مجھے آغا صاحب کی یاد آئی اور بے طرح آئی۔ 35 برس قبل 24 اکتوبر 1975ء کو ان کا انتقال ہوا۔ ان کی برسی کا دن، کوڑے کے ڈھیر سے رزق چنتے بچے کی سالگرہ کی طرح چپ چاپ گزر گیا۔ پی ٹی وی میں ایک بڑے منصب پہ فائز ان کے صاحب زادے، آغا مسعود شورش کو بھی شاید یاد نہ آ سکی۔ آتی بھی تو ان کے لئے سرکاری ٹی وی پر آغا صاحب جیسے بغاوت شعار پہ کوئی پروگرام کرنا ممکن نہ ہوتا۔ 24 اکتوبر ہی کے لگ بھگ میں نے کسی ٹی وی چینل پہ دیکھا کہ برسوں قبل رخصت ہو جانے والی کسی گلوکارہ کو خراج پیش کیا جا رہا ہے۔ پینتیس برس کس تیزی سے گزر گئے۔ آج وہ زندہ ہوتا تو کیسے کیسے کج کلاہوں اور سیاسی مداریوں کے ''دامان تقدیس'' کی دھجیاں اڑا رہا ہوتا۔ ''ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے'' آغا صاحب کی ایک چھوٹی سی نظم کا عنوان ہے۔ ''ہمارے بعد'' کہتے ہیں:

فضا میں رنگ ستاروں میں روشنی نہ رہے
ہمارے بعد یہ ممکن ہے زندگی نہ رہے
خیال خاطر احباب واہمہ ٹھہرے
اس انجمن میں کہیں رسم دوستی نہ رہے
فقیہہ شہر کلام خدا کا تاجر ہو
خطیب شہر کو قرآں سے آگہی نہ رہے
قبائے صوفی و ملا کا نرخ سستا ہو

بلالؓ چپ ہو‘ اذانوں میں دلکشی نہ رہے
نوادرات قلم پر ہو محتسب کی نظر
محیط ہو شب تاریک روشنی نہ رہے
اس انجمن میں عزیزو یہ عین ممکن ہے
ہمارے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہے

مجھے آغا صاحب یہ خبر پڑھ کے بھی بہت یاد آئے کہ عزت مآب ڈاکٹر بابر اعوان نے عالی مرتبت چوہدری پرویز الٰہی سے ملاقات کی ہے۔ دونوں جماعتوں کے قائدین نے اشتراک وتعاون کے امکانات نو پہ غور کیا ہے۔ اشارہ دیا گیا ہے کہ مسلم لیگ (ق) پیپلز پارٹی کے ساتھ شریک اقتدار ہوسکتی ہے۔ آغا صاحب کا بڑا مشہور قول ہے۔ ’’سیاست کے سینے میں دل نہیں ہوتا‘‘ وہ یہ جملہ اس مفہوم میں استعمال کرتے تھے کہ اقتدار کے کھیل میں محبت‘ خلوص‘ ہمدردی‘ ایثار اور قربانی جیسے جذبوں کا کوئی گزر نہیں۔

اس کھیل میں خون کے رشتے بھی معدوم ہو جاتے ہیں۔ آج وہ زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ سیاست کی آنکھ میں حیا بھی نہیں ہوتی۔ لوگ ’’چٹان‘‘ کے تازہ شمارے کا انتظار کرتے جانے وہ اس ملاقات کے حوالے سے کیا کیا مضمون باندھتے‘ کیسی کیسی اچھوتی تشبیہات اور کیسے کیسے انوکھے استعارے تراشتے۔ سیاسی بازیگری کو کیسے کیسے شوخ وشنگ لفظوں کا جامہ رنگین پہناتے۔ جناب بابر اعوان کی شخصیت کے خدوخال کے لئے حرف و بیاں کی کیسی کیسی صنعتیں بروئے کار لاتے‘ چوہدری پرویز الٰہی کی شخصیت کی خاکہ کشی کے لئے کیسے کیسے شوخ رنگوں کی قوس قزح بنتے۔ عباؤں اور قباؤں کے بخئے ادھیڑنا آغا جی کا محبوب مشغلہ تھا۔ کسی کو نشانے پہ رکھ لیتے تو اس کے پرکھوں کی قبریں بھی سلگ اٹھتیں۔

لرزاں ہیں میرے نام کی ہیبت سے کاسہ لیس
ارباب اقتدار کا نوکر نہیں ہوں میں
مجھ کو رہا ہے فن خوشامد سے احتراز
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کا خوگر نہیں ہوں میں

کوئی آغا صاحب کا اسلوب کہاں سے لائے کہ اس تازہ سیاسی کروٹ پر طبع آزمائی کرے۔ میں نے لکھنا چاہا لیکن نہ لکھ سکا۔ ایک آدھ دن میں پھر کوشش کروں گا۔ آج کا کالم صحافت‘ خطابت اور سیاست کے اس شہسوار کی نذر جو زندگی بھر طوفانوں سے الجھتا‘ تند ہواؤں سے کھیلتا‘ دار و رسن کی رونقیں اچھالتا‘ کجکلاہوں کی پگڑیاں اچھالتا‘ صاحبان جبہ و دستار کی قبائیں نوچتا اور پوری تمکنت سے اپنی درویشانہ خودی کے پھریرے لہراتا رہا۔ میں اس ملاقات کا ذکر آغا جی کے مشکبو تذکرے سے جوڑ کر ان کی روح کو مجروح نہیں کرنا چاہتا۔ آغا جی نے کہا تھا

ہم نے اس وقت سیاست میں قدم رکھا تھا
جب سیاست کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں
سرفروشوں کے لئے دار و رسن قائم تھے
خان زادوں کے لئے مفت کی جاگیریں تھیں

بے گناہوں کا لہو عام تھا بازاروں میں
خون احرار میں ڈوبی ہوئی شمشیریں تھیں
از افق تا بہ افق خوف کا سناٹا تھا
رات کی قید میں خورشید کی تنویریں تھیں

جانشینیان کلایو تھے خداوند مجاز
سِرِّ توحید کی برطانوی تفسیریں تھیں
حیف اب وقت کے غدار بھی رستم ٹھہرے
اور زنداں کے سزاوار فقط ہم ٹھہرے

(روزنامہ جنگ لاہور' 28-10-2010)

خریدار حضرات توجہ فرمائیں

مجلّہ طلوع اسلام کی درج ذیل خوبصورت جلدیں 275 روپے فی جلد علاوہ ڈاک خرچ دستیاب ہیں۔

70, 72, 75, 76, 77, 83, 84, 85, 86, 87, 88, 94, 98, 2000, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009

نظریۂ خیر

ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین ڈاکٹر انعام الحق صاحب کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ بعنوان ''نظریۂ خیر' فلسفۂ اخلاق اور قرآن کی روشنی میں'' شائع ہو گیا ہے۔ یہ فکر انگیز تصنیف ادارہ طلوع اسلام 25بی' گلبرگ 2' لاہور سے دستیاب ہے۔ 534 صفحات کی اس کتاب کی قیمت -/300 روپے ہے۔ 50 فی صد کی خصوصی رعایت کے بعد صرف -/150 روپے میں علاوہ ڈاک خرچ ادارہ طلوع اسلام سے دستیاب ہے۔

بایزید یلدرم

صابر صدیقی صاحب کا نام طلوع اسلام کے حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ طلوع اسلام ٹرسٹ سے ان کی کتابیں ابلۂ مسجد' اور کن فیکون شائع ہو کر قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ''بایزید یلدرم'' ان کا ایک تاریخی ناول ہے جو انہوں نے بہت محنت سے لکھا ہے۔ یہ ناول ادارہ طلوع اسلام سے رعایتی قیمت -/150 روپے علاوہ ڈاک خرچ میں دستیاب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغا شورش کاشمیری (مرحوم)

شاہکار رسالتؐ

(ایک معرکہ آرا تصنیف)

(عجمی تخیلات ــــــــــــــــ علامہ اقبالؒ اور غلام احمد پرویزؒ)

علامہ اقبالؒ نے تشکیل جدید الٰہیات کے پانچویں خطبہ میں فرمایا تھا:

''اگر قوم کے زوال و انحطاط کو روکنا ہے تو اس کا یہ طریق نہیں کہ ہم گذشتہ تاریخ کو بے جا احترام کی نظر سے دیکھنے لگیں یا اس کا احیاء خود ساختہ ذرائع سے کریں۔''

چودھری محمد احسن کے نام حضرت علامہؒ نے ایک خط میں لکھا (ملاحظہ ہو اقبال نامہ) کہ:

''میرے نزدیک مہدیت و مسیحیت کے متعلق جو احادیث ہیں وہ ایرانی و عجمی تخیلات کا نتیجہ ہیں۔ انکا عربی تخیلات اور قرآن کی صحیح سپرٹ سے کوئی سروکار نہیں۔''

ایک دوسرے خط میں جو مولوی سراج دین کے نام ہے علامہؒ فرماتے ہیں:

''ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں ان کو عربی اسلام' اس کے نصب العین اور اس کی غرض و غایت سے آشنائی نہیں۔''

انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار (صفحہ 193-192)۔

ڈاکٹر سید یامین ہاشمی کے نام علامہؒ کا ایک خط ہے' فرماتے ہیں:

''میری رائے میں عجمیت ایشیا کے مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوئی ہے۔ اس باطل کے خلاف جہاد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ عجمیت کا اثر مذہب' لٹریچر اور عام زندگی پر غالب ہے۔''

محمد دین فوق کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

''عربی اسلام ہندوستان میں ایک فراموش چیز ہے۔'' (انوار اقبالؒ صفحہ 66)۔

ارمغان حجاز کا وہ مصرع۔ ع

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ

اقبالؒ کے اس شدید تاریخی احساس ہی کا نتیجہ تھا۔

☆☆☆

محولہ بالا اشارات (اقتباسات) کا اقتضاء تھا کہ دانشوران اقبال اس موضوع پر قلم اٹھاتے اور اسلامیات کی تاریخ میں عجمی اثرات کا جائزہ لیتے لیکن کسی اقبالی نے اس پر غور نہیں کیا' نہ اس طرف توجہ کی اور نہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے راستہ کی اس سب سے بڑی روک کو دور کیا۔۔ اغلب خیال ہے کہ وہ اس کے اہل ہی نہ تھے اور ایک دوسرا خیال یہ بھی ہے کہ ان کی رُوپہلی اور طلائی مصلحتوں میں اس کا حوصلہ ہی نہ تھا۔

☆☆☆

دو روز پہلے مولانا تاج محمود (لائل پور) کی معیت میں ایک فاضل دوست سے ملاقات ہوئی تو وہاں دوران گفتگو اسلامیات میں عجمی اثرات کا ذکر آ گیا۔ اس دوست نے جناب غلام احمد پرویز کی تازہ کتاب ''شاہکار رسالتؐ (عمر فاروقؓ) کا ذکر کیا کہ اسکا مطالعہ ہر علم دوست کا فرض ہے۔ اقبالؒ نے جس عجمی سازش کو خطوط و خطبات میں اشارۃً بیان کیا۔ شاہکار رسالتؐ اس کا تفصیلی مرقع ہے۔ بڑے سائز کے 528 صفحات کی اس کتاب میں چودھواں باب بہ عنوان (شعلہ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد) کے تقریباً سو صفحات عجمی سازش کی تفصیلات سے متعلق کئی ہزار تاریخی صفحات کا نچوڑ ہیں۔ اس جامع باب کو ایک جامع کتاب کی خصوصیت حاصل ہے۔ ہر ضمنی عنوان کے تحت اس کی تفصیل موجود ہے۔ کوئی سی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ اگر کوئی سوال ذہن میں ابھرتا ہے تو اس کا جواب انہی مباحث میں نکل آتا ہے۔ حتیٰ کہ مطالعاتی طبیعت بھی کوئی نہ کوئی نیا نکتہ حاصل کر پاتی ہے۔

☆☆☆

جہاں تک پوری کتاب کا تعلق ہے' راقم نے ابھی تک اس کا مطالعہ نہیں کیا۔ صرف چودھواں باب ہی بالاستیعاب پڑھا ہے۔ ظاہر ہے کامل مطالعہ کے بعد ہی پوری کتاب پر نقد و نظر کا حق ادا ہوسکتا ہے۔ لیکن چودھویں باب کے مطالعہ سے فارغ ہوکر راقم نے محسوس کیا کہ:

(۱) پرویز نے عجم سے متعلق اقبالؒ کی ذہنی تگ و دو کو اپنے قلم کی معرفت' حقائق و معارف کے تاریخی سانچہ میں ڈھالا اور اندھیروں کو اجالوں سے متعارف کیا ہے۔

(۲) کتاب کے متعلق جیسا کہ عرض کیا قبل از مطالعہ رائے دینا مشکل ہے۔ انشاء اللہ یہ فرض بھی جلد ادا ہوگا۔ لیکن چودھواں باب تاریخ اسلام کے سیاسی و علمی مصائب کی ایک تجزیاتی کہانی اور فی الجملہ عجم کے ہاتھوں اسلام پر کیا گزری کی' روداد ہے۔

(۳) ہوسکتا ہے کسی دائرے میں یا کسی پہلو سے بعض اکابر علماء اور محقق فضلاء کو اساسی یا جزوی اختلاف ہو لیکن راقم نے پرویز سے متعلق اپنے مستعار نظریے میں' جو علمائے

کرام کے فتوے کی بدولت ذہن پر نقش تھا' ایک خوشگوار تبدیلی محسوس کی۔ فی الجملہ پرویز اپنی سیاسی شدتوں اور شخصی عصبیتوں کے باوجود اسلام کے تاریخی ذہن سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ پر سوچتے ہیں۔ ان کے دل میں سرگزشت اسلام کی ویرانیوں پر شدید ہلچل ہے اور وہ مسلمانوں کی نئی پود کے ذہنی اضطراب کو دور کرنے کے لئے عصری افکار کے لہجہ میں اسلام کی اساس پر ان سے ہمکلام ہوتے ہیں۔

(۴) محولہ باب کے مباحث ذیل کے عنوانوں پر ہیں۔ مثلاً۔

مسلمانوں کی طاقت کا راز کیا تھا؟ مسلمانوں سے قرآن چھڑا دینے کی باطنی تحریک کا آغاز اور اسکے نتائج۔ ایران وروما کی فتوحات اور ان کا فرق۔ یزدگر کے دستہ خاص کا قبول اسلام۔ فتح قادسیہ کے بعد ایرانی ردعمل' کوفہ وبصرہ میں ایرانیوں کی آبادکاری۔ عجمی سازش کے دو نمایاں محاذ۔ روایات کا طلسم خانہ۔ مسئلہ خلافت' حق وراثت کے سیاسی مضمرات' اہل ایران کا اپنے شہنشاہوں سے متعلق عقیدہ' عبداللہ بن سباء۔ رجعت کا عقیدہ۔ امامت کا منصوص تصور۔ کفر و ایمان کا خط امتیاز۔ مستند شیعی روایات۔ حضرت سلمان فارسیؓ۔ بنی امیہ اور بنو عباس کی رقابتیں۔ سادات و علوی۔ ابو مسلم خراسانی۔ برامکہ۔ فاطمین مصر۔ ویلمی حکومت۔ بغداد کا شیعی دور۔ عباسی سلطنت کا خاتمہ۔ ایرانیوں نے کتنی مدت بعد جنگ قادسیہ کا انتقام لیا۔ اسلام کی اساسات۔ مختلف فرقے اور ان کے ساختہ پرداختہ نظریے۔ محرف قرآن۔ باطنی معانی۔ محدث کا عقیدہ۔ کاشانہ نبوت پر ذہنی آتشبازی۔ جامعینِ حدیث' سنیوں کے عقائد پر عجمی اثرات۔ جمعِ قرآن سے متعلق شکوک وشبہات۔ ناسخ ومنسوخ کا عقیدہ۔ حدیث کا مقام۔ ابن جریر طبری کون تھے؟ طبری کی تاریخ۔ اسلام دین نہ رہا مذہب ہوگیا۔ آیۂ استخلاف کا مفہوم بدل گیا۔ مذہب و سیاست میں ثنویت۔ قانون سازی کے امکان کا خاتمہ۔ نظام سرمایہ داری کا احیاء۔ تقدیر کا عقیدہ۔ تقدیر سے متعلق روایات۔ تصوف کی حقیقت۔ ابن عربی۔ اساساتِ تصوف۔ باطنی علم کی سند۔ جہاد کے خلاف عجمی یلغار (افکار ملخص اور ان عوارض وامراض کا علاج جو مسلمانوں کے وجود کو اجتماعی طور پر لاحق ہو چکے ہیں۔

(۵) پرویز صاحب سے متعلق دینی حلقوں میں تسلسل و تواتر سے یہ فضا قائم رہی ہے کہ وہ منکر حدیث ہیں۔ لیکن انہوں نے جن شگفتہ الفاظ میں اپنے عقیدہ کی صراحت کی ہے اس کے بعد معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔

راقم استفساراً علماء سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث جمع کیں اور کانٹ چھانٹ کے بعد صرف 2762 باقی رکھیں۔ امام مسلمؒ نے تین لاکھ مدون کیں اور باقی 4348 رہنے دیں۔ امام ترمذیؒ نے تین لاکھ اکٹھا کیں اور 2115 کو

مرتب کیا۔ امام ابوداؤدؒ نے پانچ لاکھ فراہم کیں اور 4800 کو احاطہ تحریر میں لائے۔ ابن ماجہؒ نے چار لاکھ کا ذخیرہ کیا اور کتاب میں چار ہزار نقل کیں۔ امام نسائیؒ نے دو لاکھ کے خزانہ میں 4321 کو اپنے مجموعہ میں درج کیا۔ لیکن پرویز کی چنگھاڑ اس الزام میں کرنا کہ وہ احادیث کو تسلیم نہیں کرتے اس کی بنیاد کیا ہے؟ پرویز ان احادیث کو واقعی تسلیم نہیں کرتے جو قرآن پاک کی تعلیمات کے خلاف ہیں اور جنہیں سرور کائناتﷺ کے ارشادات سے کوئی سی نسبت ہی نہیں۔ ایسی احادیث خلافت راشدہ کے بعد بعض ملوکانہ مصلحتوں کے تحت وضع کی گئیں یا عجمی سازش نے اپنے سانچوں میں ڈھال کے انہیں رسول اللہﷺ سے منسوب کیا۔ ایک مبحث یا مسئلے کو' جو تاریخ اسلام کا عصری مضمون ہے اور نئی پود کے دماغ اس سے دوچار ہیں' واقعہ یہ ہے کہ ہمارے مقتدر علماء۔ اپنی یلغار سے اس کو ٹال نہیں سکتے اور نہ یہ مسئلہ یا مبحث کفر و اسلام سے متعلق ہے۔ نئی پود کی سوچ کیا ہے؟ پرویز نے اسی کی نمائندگی کی اور اپنی ذہنی جدوجہد سے اسلام کے دامن سے عجمی گرد جھاڑی ہے۔ بعض طبیعتوں کو شاید یہ گوارا نہیں لیکن علم کو غصہ سے روکنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔

(۶) پرویز صاحب نے اسی باب میں اپنے عقیدے کی وضاحت کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''میں نہ سنی ہوں نہ شیعہ۔ میرا تعلق کسی بھی فرقہ سے نہیں۔ قرآن کریم کا طالب علم ہوں۔ اور میرا عقیدہ بلکہ ایمان یہ ہے کہ خدا کی یہ کتاب عظیم دین میں سند و حجت ہے اور حق و باطل کے پرکھنے کا واحد معیار۔ کوئی عقیدہ' نظریہ' تصور' مسلک' مشرب' جو اس کے خلاف جاتا ہو میرے نزدیک درست نہیں' خواہ اس کی نسبت کسی طرف بھی کیوں نہ کی گئی ہو۔ اگر اس قسم کا کوئی عقیدہ بزرگان سلف میں سے کسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے خواہ ان کا تعلق کسی فرقے سے ہو تو ان حضرات کے احترام کے پیش نظر میں یہی کہتا ہوں کہ ان کی طرف اس کی نسبت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ انہوں نے ایسا نہیں کہا ہوگا۔'' (صفحہ 499)۔

ان الفاظ کے بعد پرویز کی شرعی چنگھاڑ لائق اعتنا نہیں رہتی۔ ایک مسلمان کے لئے قرآن کے مقابلہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کا مختلف المعنی قول حجت نہیں بلکہ س سے ابا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

''شاہکار رسالت'' مضمون و موضوع کی عمدگی کے علاوہ کتابت و طباعت کے اعتبار سے بھی ایک اعلیٰ کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ نظر و فکر کی بہت سی راہیں کشادہ کرتا اور اسلام کے مثالی نظامِ ریاست کا جیتا جاگتا مرقع ہے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں کہ عمر بھر وہ اس کی آرزو کرتے رہے' اس کتاب کو مسلمانوں کی ذہنی سوانح عمری کہا

جائے تو صحیح ہوگا۔

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف میں

پرویز صاحب سے ہمیں خود کئی دوائر میں اختلاف ہے لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے ہمارے ذہن میں ان کے لئے احترام کی ایک خاص فضا پیدا ہوگئی ہے۔ اقبال عجم کے متعلق جو چاہتے تھے' شاہکار رسالت ان کی اسی خواہش کا علمی مرقع اور تاریخی شہ پارہ ہے۔

پرویز کے خلاف فتوے واپس لیجئے۔

ایڈیٹر چٹان کو آج تک جناب غلام احمد پرویز سے ذاتی نیاز حاصل نہیں ہو سکا۔ کبھی ان سے بالمشافہ ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن ان کی عظیم کتاب شاہکار رسالتؐ پڑھنے کے بعد ایڈیٹر چٹان کو یقین ہو چکا ہے کہ اپنی اس کتاب کی بدولت پرویز بارگاہ رسالتؐ میں سرخرو ہو کر باریاب ہوں گے اور یہ کتاب ان کے لئے توشۂ آخرت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ان فضلاء کے ساتھ انہیں جگہ دیں گے جن کے دل اسلام کے لئے ہر دور میں دھڑکتے رہے ہیں۔

غلطیاں ہر انسان سے ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے صلحائے امت کے نزدیک کسی مقام پر ان کے قلم کو ٹھوکر لگی ہو۔ آخر وہ ایک انسان ہیں۔ لیکن ان کے سچا مسلمان ہونے میں کوئی شک نہیں۔ وہ قرآنی فکر کی ایک فاضل شخصیت ہیں۔ علماء سے دردمندانہ گزارش ہے کہ وہ محض فروعات کا شکار نہ ہوں۔ شاہکار رسالت کا مطالعہ کریں اور ضرور کریں۔

ان کی بلند فکر کے نزدیک پرویز صاحب سے کبھی تفقہ فی الدین میں کوئی چوک ہوئی ہے تو انہیں محبت سے مطلع کریں تاکہ ایک سچا دل اپنی ''کوتاہی'' کا جائزہ لے سکے۔۔ حقیقت یہ ہے کہ پرویز بھی افکار اسلام کی کربلا میں حسینی قافلہ کی ایک آواز ہیں۔ علماء کو ان سے متعلق اپنا فتویٰ واپس لینا چاہئے۔ (چٹان' مورخہ 13/5/1974)۔

آپ کی شکایت

یہ بھی درست کہ رسالہ نہیں پہنچا یا وقت پر نہیں ملا اور یہ بھی کہ تعمیل ارشاد میں تاخیر ہوئی یا اس میں کوئی فروگزاشت ہوئی۔

لیکن کیا آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ آپ نے

1- تبدیلی پتہ کی بروقت اطلاع دی ہے یا نہیں۔

2- خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر لکھا ہے یا نہیں۔

3- زرشرکت ادا ہوا ہے یا نہیں۔

4- اپنے علاقے کے پوسٹ کوڈ کی اطلاع دی ہے یا نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبداللہ ثانی، پشاور

الصلوٰۃ

دعوت فکر دینے والے نے پون صدی قبل کہا تھا کہ ''سوچا کرو''۔ اگر چہ یہ تاکید چودہ سو سال قبل اس شخصیت نے دی۔ جسے ربِ کائنات نے رحمت للعالمین اور کافۃ للناس کے خطابات سے نوازا۔

قُلْ اِنَّمَا اَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ اَن تَقُومُوا لِلّٰهِ مَثْنَى وَفُرَادَى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا (34:46)-

(اے رسول!) تم ان سے کہو کہ میں تم سے کوئی لمبی چوڑی بحث نہیں کرنا چاہتا نہ ہی کوئی طول طویل لیکچر دینا چاہتا ہوں۔ میں تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ تم خدا کے لئے' ایک ایک' دو دو' کر کے کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو!

ہر زبان میں ایسے سینکڑوں الفاظ موجود ہیں جو اپنے موقعہ کی مناسبت سے معنی دیتے ہیں۔ لہٰذا جب تک موقعہ کی نشاندہی نہ ہوگی وہی لفظ یا محاورہ اپنے معانی دینے سے قاصر ہوگا۔ اردو کے الفاظ تو بعد میں آئیں گے پہلے پشتو زبان کی مثال دی جاتی ہے۔ پشتو کا ایک لفظ ہے ''ستن'' اس کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی سوئی کے ہیں جس سے کپڑوں کی سلائی کی جاتی ہے اور دوسرے معانی چھت کے نیچے سہارا دینے کے لئے ستون کو بھی کہا جاتا ہے نیز بجلی کے کھمبے کو بھی کہا جاتا ہے۔ ستن اور ستون ملتے جلتے الفاظ ہیں۔ صرف واؤ کا فرق ہے۔ اب اگر ایک شخص پھٹی قمیض ہاتھ میں لئے کھڑا ہو اور ملازم کو پشتو میں کہے کہ جاؤ ''ستن'' لے آؤ۔ ملازم دوڑتا ہوا جائے اور کندھے پر ایک کھمبا یا چھوٹا سا ستون اٹھا کر لائے تو اس شخص کی کیفیت کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ ملازم کو یہ کہے لعنت ہو تمہاری سمجھ پر۔ تم اتنا نہیں سوچتے کہ یہ کونسا موقعہ ہے اور تم لائے کیا ہو۔ اس کے برعکس تعمیر کا کام ہو رہا ہے۔ بڑھئی نے مزدور سے کہا جاؤ ''ستن'' لاؤ اور مزدور سوئی اٹھا کر لے آیا۔ تو بڑھئی کا غصے میں آنا ایک فطری امر ہوگا۔

اسی طرح سونا ایک قیمتی دھات کا نام ہے۔ جو آج کل واقعی سونا ہو گیا ہے۔ لیکن اسی آواز اور اسی لفظ سے مراد نیند کے مسلسل عمل کا نام بھی سونا ہے۔

لہٰذا الفاظ چاہے ذو معانی ہوں یا سہ چہار معانی اپنے موقعہ عمل کی مناسبت سے استعمال ہوں گے یا ان پرعمل کیا جائے گا۔ عربی میں تو بعض الفاظ ذرا سے ردوبدل کے بعد سوسو معانی دیتے ہیں۔ ان الفاظ میں سے ایک ''صلوٰۃ'' بھی ہے۔ اس کے معانی اپنے موقعہ عمل کے ساتھ کئے جائیں تو درست نتائج برآمد ہوں گے اور اگر بے موقعہ اور بے محل معانی لئے جائیں تو اختلافات یقینی ہو جاتے ہیں۔ اس میں عام طور پر ضد اور ہٹ دھرمی ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ نتیجہ کا فرگری پر ختم ہوتا ہے۔ تشدد پروان چڑھتا ہے۔

عربی زبان کی خصوصیت یہ ہے کہ عربی الفاظ کے مادے بالعموم سہ حرفی اور بعض اوقات چار حرفی ہوتے ہیں۔ ویسے بھی نر اور مادہ کے اختلاط سے بچہ پیدا ہوتا ہے لیکن مادہ سے ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح عربی میں کوئی بھی حرف اگر فعل ہے تو اس میں اپنے مادہ کے حروف ضرور پائے جائیں گے۔ اس نسبت سے ''صلوٰ'' یا ''صلی'' مادہ ہے اور اس سے پیدا ہونے والے الفاظ میں ان تین حروف یعنی ''ص ل و یا ص ل ی'' ضرور پائے جائیں گے۔ اور ساتھ ہی ساتھ معانی بھی تبدیل ہوتے جائیں گے۔

ہمارے ہاں صلو سے الصلوٰۃ اور الصلوٰۃ سے مراد صرف نماز ہی لیا جاتا ہے۔ اب اگر قرآن کریم کی سورہ ھود کی آیت 87 کو دیکھیں تو صلوٰۃ کے معانی خرچ کرنا ملتے ہیں۔

قَالُوا يَا شُعَيْبُ اَصَلاتُکَ تَاْمُرُکَ اَن نَّتْرُکَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا اَوْ اَن نَّفْعَلَ فِیْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ اِنَّکَ لَاَنتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ (11:87)-

مفہوم۔ ''انہوں نے کہا کہ اے شعیب! (تم جو کچھ کہتے اس سے ہم نے سمجھا تھا کہ تم صرف پوجا پاٹ کا کوئی اپنا طریق لے کر آئے ہو اس لئے ہم نے اس سے کچھ تعرض نہیں کیا تھا۔ ہمارے ذہن میں تھا کہ ہم اپنے آباؤاجداد کے طریقہ پر پوجا پاٹ کرتے رہیں گے۔ تم اپنے طریق پر کرتے رہو۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ معاملہ صرف پوجا پاٹ کا نہیں۔ تیری صلوٰۃ صرف پرستش نہیں۔ یہ تو ہماری روزمرہ کی عملی زندگی کے ان شعبوں میں بھی دخیل ہو رہی ہے جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ کیا تیری صلوٰۃ تجھ سے یہ کہتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے اسلاف کرتے چلے آئے ہیں اور یہ کہ نہ ہم جس طرح ہمارا جی چاہے دولت حاصل کریں اور نہ ہی جس طرح جی چاہے اسے خرچ کریں؟ چہ خوب! اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے آباؤاجداد' جن سے یہ موجودہ نظام منتقل ہو کر چلا آ رہا ہے'

سب ظالم اور جاہل تھے اور عقل و فہم، تحمل و بردباری غریبوں کی ہمدردی اور غمخواری، سب تمہارے حصے میں آ گئی ہے!''۔

(ان آیات اور مفہوم کے پڑھنے کے بعد صرف پانچ منٹ رک کر اپنے گرد و نواح پر نظر ڈالیں۔ تو آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ جیسے ہزاروں سال پرانے مکالمے میں ہماری بات ہو رہی ہے۔ یہ ہوتا ہے کمال زندہ و جاوید حقائق کا)۔

یعنی **الصلوتک** ''دو معانی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی اے شعیب! ہمارا پوجا پاٹ اور مال کا خرچ کرنا۔ اسی طرح صلوٰۃ رحمت اور برکت کے معانی میں بھی آیا ہے۔ نیز تاکید کے معانی میں آیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (33:56)۔

مفہوم۔ لیکن تم اس اطمینان میں نہ رہو کہ جب خدا اور اس کے ملائکہ کی تائید و نصرت تمہارے رسول کے ساتھ شامل ہے، تو تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم اپنے عمل پیہم سے، رسول کے مشن کی تقویت کا موجب اور اس کے دست و بازو بنو۔ اس کے پروگرام کو تکمیل تک پہنچاؤ۔ اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ دل کے جھکاؤ کے ساتھ اس کی پوری پوری اطاعت کرو۔

جب یہ آیت پڑھی جاتی ہے تو عام لوگ درود (صلوٰۃ) اللھم صل علی محمد ا...... الخ پڑھتے ہیں۔ جسے وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نے درود بھیجا۔ حالانکہ یہ درود کے لئے درخواست ہے۔ اتنا کافی باقی سوچو!

صلوٰۃ اگرچہ دین کا ایک اہم جز ہے لیکن مذہب نے اسے پوجا پاٹ تک محدود کر کے رکھ دیا ہے۔ (یاد رہے پوجا پاٹ دراصل ہندی میں عبادت ہی کو کہا جاتا ہے)۔ آپ نے اوپر پڑھا ہوگا کہ شعیب علیہ السلام کی قوم نے اپنی عبادت کو الصلوٰۃ سے تعبیر کیا۔ اور ان کے خیال میں صرف اس پوجا پاٹ کا نام الصلوٰۃ تھا۔ جبکہ شعیب علیہ السلام نے مال کو احکام خداوندی کے مطابق خرچ کرنے کو الصلوٰۃ سے تعبیر کیا۔

''الصلا'' کی نسبت سے ''صلی الفرس تصلیۃ'' اس وقت کہتے ہیں جب گھوڑا دوڑ میں، دوسرے نمبر کا گھوڑا، پہلے نمبر کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے اس طرح دوڑ رہا ہو کہ پچھلے کی کنوتیاں، پہلے کے سُرین سے مل رہی ہوں۔ اس گھوڑے کو جو آگے جا رہا ہو، سابق کہتے ہیں اور دوسرے نمبر والے گھوڑے کو المصلی۔ اس میں صلی کے معنی ہیں اگلے کے ساتھ ملے ہوئے پیچھے پیچھے جانا۔ اسی طرح کسی کے ساتھ لگے رہنا اور چمٹے رہنا بھی ہے۔

قرآن کریم میں ہے۔ ''**لَمْ نَکُ مِنَ**

الْمُصَلِّيْنَ ''(74:43)- ہم مصلین میں سے نہیں تھے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم نمازی نہیں تھے۔ بلکہ ہم انبیاء کرام کی تعلیمات کے ساتھ چمٹے نہیں تھے۔

اب ہم ''الصلوٰۃ'' بظاہر جسے نماز کہا جاتا ہے' کی طرف آتے ہیں۔ نماز عربی کا لفظ نہیں۔ یہ مجوسیوں کی عبادت کا نام ہے اور ہم تک الصلوٰۃ کے معنی میں پہنچا ہے۔ جب مخالفین اسلام کو یہ تسلی ہوگئی کہ قرآن کریم کے متن کو تبدیل کرنا ناممکن ہے تو ایک دوررس سازش کے نتیجے میں قرآنی اصطلاحات کو بذریعہ ترجمہ تبدیل کرنا چاہا۔ جس میں کافی حد تک وہ کامیاب ہوگئے۔ یعنی صلوٰۃ کو نماز' اللہ کو خدا اور صلو کو درود میں ابتدائی تجرباتی طور پر بدل دیا گیا۔ حالانکہ آج بھی عرب لوگ صلوٰۃ کو نماز نہیں کہتے۔ صلوٰۃ ہی کہتے ہیں۔ یہ اصطلاحات برصغیر میں ایران کے راستے پہنچی ہیں۔

قرآن کریم میں اقیموا الصلوٰۃ واتوالزکوٰۃ کے الفاظ تقریباً ساٹھ مقامات پر آئے ہیں۔ ہم بھی بڑے عجیب واقع ہوئے ہیں۔ نماز پانچ وقت پڑھتے ہیں لیکن زکوٰۃ سال میں ایک بار دی جاتی ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مسجد سے نکلتے ہی کچھ تھوڑا بہت دے دینا چاہئے۔ اس پر بات پھر سہی۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں چند بار ایک ایسا عمل ضرور ہے جسے الصلوٰۃ کہا جاتا ہے۔ اسی الصلوٰۃ کی تیاری کے لئے بھی ہدایات موجود ہیں۔ مثلاً

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلاةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُوسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ...... (5:6)-

مفہوم۔ اس نظام کے قیام کے لئے جس میں تمام افراد قوانین خداوندی کا اتباع کرتے چلے جائیں' اجتماعات صلوٰۃ نہایت ضروری ہیں جب تم صلوٰۃ کے لئے کھڑے ہو (یعنی عزمِ صلوٰۃ کرو) تو تم اپنا منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولیا کرو اور اپنا سر پونچھ لیا کرو اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھولیا کرو۔ اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو (نہا دھوکر) پاک صاف ہو جایا کرو اور اگر تم مریض ہو یا حالت سفر میں ہو یا جائے ضرور سے فارغ ہو کر آئے ہو' یا عورت سے ہم آغوش ہوئے ہو اور پانی نہیں ملتا تو ان حالات میں وضو کرنے کے بجائے تیمّم کر لیا کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کا قانون یہ نہیں چاہتا کہ تم پر خواہ مخواہ تنگی عائد کردے۔

یہاں بھی ہمارے اہل فقہ نے ایسی گریز کی راہ تلاش کر دی ہے۔ جو یہود و نصاریٰ کا شیوہ رہا ہے۔ ہمارے ہاں بڑے فخر سے کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب ہمیشہ صبح کے وضو پر عشاء

کی نماز پڑھتے رہے ہیں یا پڑھتے ہیں۔ حالانکہ یہ ارشاد خداوندی کے منافی عمل ہے۔ حکم یہ ہے کہ جب تم صلوٰۃ کے لئے کھڑے ہوتو وضو کرو۔ یعنی ہر صلوٰۃ کے لئے وضو لازم ہے۔ سردیوں میں تو عام طور پر لوگ ظہر کی نماز کے وضو پر بڑے فخر سے عشاء تک وضو کو کھینچتے ہیں۔

جہاں تک اوقات نماز کا تعلق ہے تو مزید قرآنی تحقیق سے اوقات پانچ ہی ہیں۔ ان پانچ اوقات میں صلوٰۃ عصر کو صلوٰۃ الوسطیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت 2:238 کچھ اس طرح ہے۔

حَافِظُواْ عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلاَةِ الْوُسْطَى وَقُومُواْ لِلّهِ قَانِتِينَO

اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو خصوصاً صلوٰۃ وسطیٰ کی۔ اس طرح کھڑے ہو جیسے فرماں بردار غلام۔

عام طور پر عصر کی نماز کو صلوٰۃ وسطیٰ یعنی درمیانی نماز کہا جاتا ہے۔ شاید ایسا نہ ہو۔ قدرتی طور پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر عصر کی نماز میں ایسی کونسی خصوصیت ہے جس کی حفاظت کا ذکر ہے۔ دراصل اس سے ایک حدیث منسوب ہے۔ جنگ احزاب میں صحابہؓ اتنے مصروف تھے کہ سورج ڈوبنے کو آگیا اور آپ نماز عصر نہ پڑھ سکے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''خدا ان لوگوں کی قبریں اور ان کے گھر آگ سے بھر دے۔ انہوں نے ہماری صلوٰۃ وسطیٰ فوت کردی۔''

اس حدیث پر ہم اپنے تحفظات اس حد تک عرض کرتے ہیں کہ رحمت للعالمین جو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ کبھی ایسے الفاظ ادا نہیں کر سکتے۔ بہرحال جہاں تک صلوٰۃ وسطیٰ کا تعلق ہے تو ظاہر ہے وسطیٰ درمیان کو کہتے ہیں۔ یہ راقم کی ذاتی تحقیق ہے۔ جس پر تنقید کی جاسکتی ہے کہ دراصل ہر نماز وسطیٰ ہے۔ وہ کیسے؟ یوں کہ

> ''دنیا گول ہے اور سورج کے گرد گھومتی ہے۔ لہٰذا دنیا کے نقشے پر یا گلوب پر پانچ اوقات کے مطابق لکیریں کھینچ دی جائیں۔ تو ہر لکیر (یعنی نماز) وسطیٰ ہو جاتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر نماز کی حفاظت ضروری ہے۔''

(یاد رہے چونکہ نماز اب ایک عام فہم لفظ بن گیا اس لئے ہم بھی نماز ہی استعمال کرتے ہیں، حالانکہ درست الصلوٰۃ ہے)

بعض لوگ تین نمازوں کی بات کرتے ہیں۔ اگر مان بھی لیا جائے تو بھی یہی صورت حال ہوگی، یعنی ہر نماز وسطیٰ ہوگی۔ الصلوٰۃ سے کسی طور بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ صرف یہی ایک نشانی یا علامت ہے جو عام زندگی میں مخالفین اور موافقین میں باعث امتیاز ہے۔ اگر اس نشان امتیاز کو درمیان سے نکال دیا گیا تو عام زندگی میں ایک مسلم اور غیر مسلم میں فرق محسوس نہیں ہوگا۔ کیونکہ بلحاظ ساخت ہر مرد اور عورت یکساں ہیں یعنی مرد مردوں کی طرح اور عورتیں عورتوں کی طرح۔

ہمارے ہاں الصلوٰۃ میں ریاکاری کے بھی کئی انداز ہیں۔ مثلاً مسجد جانے سے پہلے آستینوں کو چڑھا کر' کاندھے پر تولیہ یا کوئی بڑا رومال' پاؤں میں چپل' راستے میں آہستہ آہستہ جانا تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ دیکھ سکیں کہ نماز کے لئے جایا جا رہا ہے۔ان کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔سورہ الماعون۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ O الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ O الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاؤُوْنَ O وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (107:4-7)-

مفہوم۔ کام تو ایسے کرتا ہے لیکن اپنے آپ کو ''دیندار'' ظاہر کرنے کے لئے نمازیں بہت پڑھتا ہے۔اسی قسم کے نمازی ہیں جن کی نمازیں ان کی تباہی کا باعث بن جاتی ہے۔اس لئے کہ یہ نمازیں پڑھ کر اپنے آپ کو فریب دے لیتے ہیں (یا دوسروں کوفریب دیتے ہیں۔ کہ یہ بڑے متقی پرہیز گار ہیں۔

انہیں اس کا پتہ ہی نہیں کہ صلوٰۃ کا مقصد کیا ہے؟ اس کا مقصد تھاایک ایسے معاشرے کا قیام جس میں تمام افراد قوانین خداوندی کا اتباع کریں اور عالمگیر انسانیت کو سامان نشو ونما بہم پہنچتا رہے یہ اس کی غرض وغایت سے تو غافل رہتے ہیں اور اس کے محسوس ارکان (قیام' رکوع' سجود وغیرہ) کی ادائیگی کے بعد سمجھ لیتے ہیں کہ ہم فریضۂ خداوندی سے سبکدوش ہوگئے۔

ان کی اس خودفریبی کا نتیجہ ہے کہ یہ ایک طرف نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور دوسری طرف رزق کے ان سرچشموں پر' جنہیں بہتے پانی کی طرح ہر ایک کی ضروریات کے لئے کھلا رہنا چاہئے بند لگا کر' ان پر اپنا قبضہ جما لیتے ہیں اور اس طرح ضرورت مندوں کو سامان زیست سے محروم کر دیتے ہیں۔ (یوں یہ تکذیب دین کرتے اور ننگ اسلام بنتے ہیں)۔

آج جن مساجد میں نماز پڑھی جا رہی ہے۔ مسجد جس کے معنی ہیں وہ مقام جہاں رب کائنات کے حضور سجدہ ریز ہونا ہے۔ جہاں امن' آشتی' محبت اور بھائی چارے کا ماحول ہونا چاہئے' خوف وہراس اور کشت وخون کے مراکز بن گئے ہیں۔ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ ہم نے صلوٰۃ کو نماز بنا دیا ہے اس کی روح سمجھنے سے قاصر ہوگئے ہیں۔

پون صدی کے بعد کم ازکم الیکٹرانک میڈیا پر نمازوں میں موجود اختلافات کی بات 6 اکتوبر 2010ء کی ایکسپریس کی نشریات میں کی گئی۔ یہ ایک بہت بڑی پہل ہے۔تاہم سخت موجود اختلافات سے کمال ہوشیاری' خود کو اور الناس کو دھوکہ دیتے ہوئے پہلوتہی کی گئی لیکن خوش آئند قدم یہ ہے کہ بات چل نکلی۔اس مباحثے میں تین مکاتب فکر (جسے فرقے کہا جاتا ہے) کے مولوی صاحبان کو دعوت دی

گئی۔سوال یہ تھا کہ ''حضورﷺ نے نماز کیسے پڑھی'' فرقہ اہل حدیث کے ترجمان نے کہا ''نماز اسی طرح پڑھنی چاہئے جس طرح آنحضورﷺ نے پڑھی۔ بخاری شریف میں نماز پڑھنے کی تفصیل موجود ہے۔ انہوں نے اہل تشیع کے مولوی صاحب کی یہاں تک تائید کی کہ نماز کے ماخذ مختلف ہیں۔اسی لئے نماز میں فرق موجود ہے۔اہل تشیع کے مولوی صاحب نے کہا کہ نماز وہی درست ہے جس طرح حضرت علیؓ نے پڑھی۔ یہاں میں یہ (اہل حدیث) اضافہ کرنا چاہوں گا کہ نماز وہی درست ہے جس طرح ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے پڑھی تھی۔ مزید کہا کہ تعریف حدیث میں بھی اختلاف موجود ہے کیونکہ ہم (اہل حدیث) حدیث صرف اسی بات کو سمجھتے ہیں جو نبیﷺ نے کہی ہو جبکہ اہل تشیع یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے بارہ اماموں کی باتیں بھی حدیث کا درجہ رکھتی ہیں۔ رہی سہی کسر چیئرمین برائے مدارس اہل سنت نے یہ کہہ کر پوری کر دی کہ تمام مسالک کا اتفاق ہے کہ نماز جس انداز میں بھی پڑھی جائے وہ قبول ہوگی۔ کیونکہ میرے نبیﷺ نے ہر طریقے سے نماز پڑھی ہے۔ جعفریہ الائنس کے سربراہ نے کہا اختلافات معمولی ہیں انہوں نے کہا الگ الگ نماز پڑھنے کی جہاں تک بات ہے تو رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ نماز اسی طرح پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو رسول پاکﷺ کو سب سے قریب حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ اور امام حسنؓ نے ہی دیکھا تھا۔ ہم اس طریقے سے نماز پڑھتے ہیں جس طریقے سے حضرت علیؓ نے نماز پڑھی ہے۔

ان اختلافات کے ہوتے ہوئے کیا اہل حدیث کے مولوی صاحب کبھی وہ نماز پڑھیں گے جو اہل تشیع پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ان کی دلیل میں وزن زیادہ ہے کہ تینوں کسی نہ کسی شکل میں حضورﷺ کے زیادہ قریب ہیں۔ پھر اگر اہل سنت کے مولوی صاحب کی بات مان لی جائے کہ حضورﷺ نے ہر طریقے سے نماز پڑھی ہے تو کبھی کبھی ان کو بھی اہل تشیع کی نماز پڑھ لینی چاہئے۔ اسی طرح اہل سنت کے چاروں اماموں کی نمازوں میں بھی فرق موجود ہے۔ بہرحال خوشی اس بات کی ہے کہ اس پر کھل کر بات کرنے کی ابتداء ہوگئی ہے۔ سب اپنے اپنے مسالک یا مذاہب میں خوش ہیں اور خود کو درست سمجھتے ہیں۔ آیئے! اللہ تعالیٰ سے پوچھیں فرمایا۔

فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُراً كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (23:53)-

مفہوم۔ (ظاہر ہے کہ جب ان تمام رسولوں کی تعلیم ایک تھی تو ان کے متبعین کو بھی ایک ہی ہونا چاہئے تھا لیکن امر واقعہ یہ نہیں' مختلف انبیاء کے نام لیوا' ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کے چلے جانے کے بعد' اس کے متبعین' اس کے پیغام کو فراموش کر کے اپنی خود ساختہ شریعتوں کا اتباع کرنے لگ جاتے ہیں جس سے) وہ مختلف گروہوں میں بٹ جاتے' ان میں

فرقے پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر جیسا کہ فرقہ پرستی کا خاصا ہے' ہر فرقہ اپنے اپنے مسلک پر جم کر بیٹھ جاتا ہے اور اس خیال میں مگن رہتا ہے کہ (وہی فرقہ حق پر ہے باقی فرقے باطل ہیں)۔ اس کے لئے آیت نمبر 30:32 ضرور ملاحظہ کریں۔

ٹھنڈے دل سے سوچیں کیا یہ کچھ آج بھی نہیں ہے۔

آخر میں اتنا عرض کرتا چلوں کہ بعض حضرات یہ الزام لگاتے ہیں کہ پرویز مرحوم نماز کے قائل نہیں تھے۔ یہ تاثر بالکل غلط ہے۔ راقم آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا یہ 1953ء کی بات ہے اور مرحوم مردان تشریف لایا کرتے تھے۔ راقم نے کئی مرتبہ ان کو الصلوٰۃ کی ادائیگی پر دیکھا تھا۔ مردان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ مجالس قرآن کے لئے ''بزم'' کی تجویز بھی اہل مردان کی طرف سے پیش کی گئی جو تاحال قائم ہے۔ یہ تفصیل منزل بہ منزل میں موجود ہے۔ دراصل مرحوم نے الصلوٰۃ کی اتنی وضاحت کی ہے جس میں شاید نماز گم ہو کر رہ گئی ہے۔ قارئین کو یاد ہوگا کنونشوں کے موقعوں پر وہ کنونشن کے مقام پر باجماعت نماز کی اجازت اس لئے نہیں دیتے تھے کہ کہیں کسی نئے فرقے کی بنیاد نہ پڑ جائے۔ حالانکہ ہم نے کئی مرتبہ اسی مقام پر باجماعت نماز ادا کی۔

مزید برآں مئی 2010ء کے طلوع اسلام میں ''صلوٰۃ موقت اور غلام احمد پرویزؒ'' کے عنوان سے شائع ہونے والے تفصیلی مضمون میں سے ایک پیرا نیچے نقل کیا جا رہا ہے:

''یہ امر نہایت حیران کن اور فکر انگیز ہے کہ ان تمام تصریحات اور وضاحتوں کے باوجود اور اس کے باوجود کہ ادارہ طلوع اسلام کے ریکارڈ میں پرویز صاحب کی نماز ادا کرتے ہوئے وڈیو فلم موجود ہے اور بہت سے ایسے عینی شاہد حیات ہیں جو ان کے ساتھ نمازیں ادا کرتے رہے ہیں' بعض لوگ یہ پراپیگنڈہ کر کے کہ وہ نماز کے قائل نہیں تھے' پرویز صاحب اور فکر پرویز سے' دانستہ یا نادانستہ' دنیا کے مسلمانوں کو متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ پراپیگنڈا بہت مذموم اور شر انگیز ہے۔ اس سے احتراز کرنا اشد ضروری ہے۔''

چند مفید ویب سائٹس

www.toluislam.com, www.tolueislam.com, www.islam21.info,

www.shalimar.com, www.aboutquran.com, www.islamicdawn.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقطۂ نظر

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی

تحریکِ طلوعِ اسلام کے ناقدین کی خدمتِ عالیہ میں

تحریکِ طلوعِ اسلام کی ابتداء دین کے قیام کی خاطر کی گئی تھی۔ دین کا قیام ہمیشہ انبیاء کرام ہی نے کیا ہے۔ حضرت نوحؑ سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک جتنے بھی انبیاء کرامؑ تشریف لائے انہوں نے سب نے ہی دین کے قیام کی کوششیں کیں۔ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں دین قائم فرما بھی دیا۔ حضور ﷺ کی مملکت دس لاکھ مربع میل پر وسیع تھی۔ حضور ﷺ کے بعد چونکہ انبیاء کرامؑ کا سلسلہ ختم ہو گیا اس لئے دین کے قیام کی ذمہ داری امت مسلمہ پر عائد ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کا قائم کردہ نظام خلافت راشدہ تک جاری رہا لیکن بدقسمتی سے ملوکیت کے غلبہ کی وجہ سے وہ نظام منقرض ہو گیا۔ علماء کرام جو خود کو وارث انبیاء بلکہ بنی اسرائیل کے انبیاء کے برابر سمجھتے ہیں یہ ان کا فرض تھا کہ وہ دین کے قیام کی کوشش کرتے لیکن افسوس، صد افسوس کہ انہوں نے اس کے برعکس خود ملوکیت کا ساتھ دیا اور دین کے قیام میں رکاوٹ بنے رہے۔ بنو عباس کے وہ خلفاء جو نہایت ہی بدکردار اور بدچلن تھے اور جن کے حرم میں دو دو ہزار لونڈیاں رہتی تھیں ہمارے علماء کرام ان کی مدح و ستائش کرتے رہے اور انہیں ظل اللہ فی الارض کہتے رہے۔ ان خلفاء کا کردار اس درجہ گھناؤنا تھا، کہ انہوں نے اپنے دفاع کے لئے کوئی راہ ہی نہیں چھوڑی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے دور تک کے علماء المامون جیسی کتابیں لکھتے رہے اور اورنگ زیب جیسے بادشاہوں کے قصیدے پڑھتے رہے۔ اس ڈیڑھ ہزار سال کے بعد، اس سارے طویل عرصہ میں صرف تحریک طلوع اسلام وہ تحریک ہے جو دین کے قیام کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کم از کم اس تحریک کے قیام کے بعد تو علماء کرام کو چاہئے تھا کہ وہ لپک کر اس تحریک کا ساتھ دیتے لیکن افسوس کہ انہوں نے اس کی مخالفت ہی جاری رکھی۔ قیام پاکستان سے پیشتر طلوع اسلام نہایت عاجزی وانکساری سے ان حضرات کو دین کی دعوت دیتا رہا لیکن افسوس کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے کہ ہمارے علماء کرام

بجز معدودے چند' کہ جن پر الشاذ کالمعدوم کا اطلاق ہوتا ہے' آخر وقت تک قیام پاکستان کے مخالف رہے' کیونکہ ان کے ہاں دین کا تصور نہ اس وقت تھا اور نہ اس وقت ہے۔

تحریک طلوع اسلام کے خلاف تقریباً دو سو کتابیں شائع ہو چکی ہیں' جس درجہ طلوع اسلام کی تحریک نہایت تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے' اسی تناسب سے اس کی مخالفت میں بھی شدت آتی جا رہی ہے۔ شروع میں تو اس تحریک کا اصل مقصد ہمارے علماء کرام کے سر کے اوپر سے گذر گیا تھا' وہ سمجھے ہی نہیں کہ اس تحریک کا مقصد دین کا قیام ہے وہ صرف غلطی سے یہ سمجھتے رہے کہ یہ تحریک خدانخواستہ حدیث کی منکر ہے۔ لیکن وقت گذرنے کے بعد اس کے مخالفین و ناقدین کے زمرہ میں جب ایسے علماء کرام بھی شامل ہوتے گئے جو جدید تعلیم سے واقف اور ڈاکٹریٹ جیسی اعلیٰ سندات کے زیور سے آراستہ تھے' وہ اس تحریک کے اصل مقصد تک پہنچ گئے کہ اس تحریک کا اصل مقصد تو دین کا قیام ہے جس کے لئے طلوع اسلام مرکز ملت کی اصطلاح بھی استعمال کر لیتا ہے۔ شروع میں ہمارے علماء کرام نے اس تحریک کی مخالفت میں فتنۂ انکار حدیث کے عنوان سے کتابیں شائع کیں۔ ان کتابوں میں کسی میں بھی مرکز ملت کا حوالہ نہیں ملتا اور نہ ہی اس کی تردید کی گئی ہے۔ سب سے پہلے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کیلانی مرحوم کی کتاب ''آئینۂ پرویزیت'' شائع ہوئی جس میں مرکز ملت پر اعتراضات کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد' اب اس موجودہ دور میں' جو ضخیم کتابیں' ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل تصنیف کی جا رہی ہیں' ان میں البتہ پورے پورے باب مرکز ملت' یعنی قیام دین کی تردید میں رقم کئے جا رہے ہیں۔

تحریک طلوع اسلام کے خلاف جن حلقوں سے یہ کتابیں آ رہی ہیں ہمیں ان کا احترام ہے۔ ان کے اور ہمارے درمیان قرآن کریم کا اشتراک ہے۔ وہ بھی قرآن کے حافظ و عالم ہیں۔ ہم بھی قرآن کریم کے ادنیٰ طالب علم ہیں۔ قرآن سے زیادہ مضبوط اور کوئی رشتہ نہیں ہو سکتا۔ قرآن فہمی میں سب سے غلطیاں ہو سکتی ہیں لیکن یہ غلطیاں یا نظریات کا اختلاف اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ کوئی حافظ و عالم سوقیانہ زبان استعمال کرنے لگے۔ ان محترم حضرات سے اس سے پیشتر بھی درخواست کی گئی تھی کہ سوقیانہ زبان آپ کو زیب نہیں دیتی' اس لئے اس سے اجتناب فرمائیں۔ لیکن یہ حضرات ہمیشہ اس تحریک کے بانی کے متعلق' جھوٹا' دغا باز' دروغ گو' مکار' چالباز جیسے مکروہ الفاظ استعمال کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ان سے پھر گذارش ہے کہ جب وہ قرآن کریم کے حافظ و عالم ہیں' تو پھر قرآن کریم کے اس حکم کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔ **وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ (49:11)**- (ترجمہ) ایک دوسرے کو برا نام

نہ دو۔

ناقدین تحریک طلوع اسلام کو اختیار ہے کہ وہ تحریک کے ہر نظریہ کی تغلیط وتردید کرتے رہیں' اور جس قدر چاہیں ضخیم کتب تحریر فرماتے رہیں لیکن یہ بات ہمیشہ خیال شریف میں رکھیں کہ علماء کرام اور تحریک طلوع اسلام کے مابین اصل مبحث و اختلاف مقام حدیث کا ہے۔ اور سارے اختلافات وتنازعات حدیث کے صحیح مقام کے تعین سے ہی پھوٹتے چلے آرہے ہیں اور اس اختلاف کا باعث مذہب اور دین کے تصور کا اختلاف ہے۔ مذہب میں اگر آپ حدیث کو وحی کا درجہ دیتے ہیں تو اگر چہ یہ نظریہ قرآن کریم کے خلاف ہے لیکن اس سے مسلمانوں کی عملی زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حدیث کے اس مقام سے مسلمانوں کی زندگی میں اثر دین کے قیام پر پڑتا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف کو وحی تسلیم کر لینے اور اس کے ذریعے حضورﷺ کی اطاعت کرنے کے بعد دین کے قیام کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی' تحریک طلوع اسلام کو خدانخواستہ حدیث سے کوئی عناد وانکار نہیں ہے۔ تحریک کا اختلاف اس کو وحی قرار دینے پر ہے کیونکہ پھر یہ دین کے قیام میں مانع اور ایک رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

تحریک طلوع اسلام کے نزدیک اللہ و رسول کی اطاعت ایک اطاعت ہے اور وہ اطاعت صرف دین کے قیام کے بعد اس طرح ہوتی ہے کہ اس نظام کے سربراہ کی اطاعت ہی اللہ و رسول کی اطاعت ہوتی ہے۔ یہ زندہ اتھارٹی ہوتی ہے اور یہ زندہ اتھارٹی قرآن وحدیث کے مطابق نظام چلاتی ہے۔ یہ زندہ اتھارٹی قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حدیث کو بھی ہمیشہ پیش نگاہ رکھتی ہے اور اس نظام کے فیصلوں کی اطاعت ہی اللہ کی عبادت ہوتی ہے۔ لیکن اگر آپ حدیث کو وحی قرار دے لیں تو پھر قرآن و حدیث کی دو اطاعتیں بن جاتی ہیں اور ان دونوں کی اطاعت کے لئے پھر زندہ اتھارٹی یا دین کے قیام کی ضرورت نہیں رہتی یہ ہے وہ اصل اختلاف جو علماء کرام اور تحریک کے مابین ہے۔ ہمارے علماء کرام چونکہ دین کے قیام کے مخالف ہیں' اس لئے' اور صرف اس لئے' یہ حضرات حدیث کو وحی قرار دینے پر مصر ہیں تاکہ کہیں دین کا قیام نہ ہو جائے۔

لیکن ہمارے علماء کرام خواہ جس قدر بھی کوشش کر لیں وہ احادیث کو وحی ثابت نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم میں کہیں دور دور بھی وحی خفی کا اشارہ تک نہیں ملتا' ہمارے علماء کرام حدیث کو وحی ثابت کرنے کے لئے دو طریقے استعمال کرتے ہیں' ایک تو سورہ نجم کی آیۂ کریمہ' دوسرا طریقہ ہمارے علماء کرام جو اختیار فرماتے ہیں اس کے لئے اردو زبان کا ایک محاورہ بہترین محاکاتی انداز کا ہے۔ چونکہ

وہ بے معنی و غیر سنجیدہ ہے اس لئے وہ بصد معذرت تحریر کیا جاتا ہے کہ یہ حضرات الٹے ہاتھ سے ناک پکڑتے ہیں بجائے اس کے کہ یہ حضرات قرآن کریم میں کسی ایک ایسی آیت کی نشاندہی فرما دیں کہ قرآن کی اس آیت سے حدیث وحی ثابت ہوتی ہے' یا مستنبط ہوتی ہے' یہ حضرات دس یا بارہ آیات کا انتخاب کرتے ہیں' اور اس سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ آیات اس وقت تک سمجھ میں نہیں آ سکتیں جب تک کہ آپ وحی خفی کا اقرار نہ کرلیں۔ چونکہ یہ آیات سمجھ میں نہیں آتیں' اس لئے آپ حدیث کو وحی تسلیم کریں' حالانکہ ان تمام آیات کی تفسیر بار بار پیش کی جا چکی ہے۔

مقام حدیث کی گفتگو شروع کرنے سے پیشتر بصد معذرت' ایک تسامح کی نشاندہی کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ محترم پرویز صاحب کے حالات کے بارے میں تحریر ہے کہ ''اسی دور کے قربِ اختتام پر جناب غلام احمد پرویز صاحب متولد ہوئے۔'' اسی طرح ایک اور مقام پر تحریر ہے ''1903ء میں متولد ہونے والے پرویز صاحب''۔ یہ متولد ہونا کون سی عربی ہے' عربی قواعد کی رو سے اس موقع کے لئے یہ لفظ ہی غلط ہے۔ درست فقرہ یوں ہونا چاہئے کہ ''جناب پرویز صاحب تولد ہوئے۔'' بہرحال یہ صرف ضمناً تحریر کیا گیا ہے۔

مقام حدیث کے بارے میں دو اصولی باتیں ہمیشہ پیش نگاہ رکھیں جو نہایت واضح ہیں اور چٹان کی طرح مضبوط ہیں جن کی کوئی شخص تغلیط و تردید نہیں کرسکتا۔

(1) پہلی اصولی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی علم حضور ﷺ کو ملا وہ صرف اور صرف جبریلؑ کی معرفت ملا تھا۔ جبریلؑ کے واسطہ کے بغیر کوئی علم اللہ کی طرف سے حضور ﷺ کو نہیں ملا۔

(2) حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی علم ملا وہ کلام اور الفاظ پر مشتمل ملا تھا۔ بغیر کلام یا بغیر الفاظ کے کوئی علم حضور ﷺ کو نہیں ملا۔

لیکن افسوس کہ ہمارے علمائے کرام ان دونوں شقوں کے مخالف نظریہ کے حامل ہیں۔

پہلی شق کے بارے میں غفران مآب' خلد آشیانی' جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب مرحوم' سابق خطیب جامع مسجد سریاں والا بازار' لاہور نے اپنی تفسیر میں تمام علماء کرام کو (تحدی) چیلنج کیا ہے کہ کوئی شخص الی یوم القیامت قرآن مجید سے یہ ہرگز ثابت نہیں کر سکے گا کہ محمد رسول اللہ سلام کے ساتھ تمام عمر میں مرتے دم تک صرف ایک دن کوئی ایک بات بھی اللہ تعالیٰ کی بالا بالا بلا واسطہ جبریلؑ ذرہ بھر کبھی ہوئی ہو۔ جملہ آیات قرآن مجید سے صرف یہی امر ثابت ہوتا ہے کہ بذریعہ جبریل سلام علیہ محمد رسول اللہ سلام علیہ پر وحی صرف قرآن مجید ہی منزل من اللہ

ہوتا رہا ہے اور بس''۔ جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب مرحوم کی تفسیر میں اس نظریہ کی تائید میں دلائل نہیں دیئے گئے ہیں لیکن اس مقام پر انہوں نے صرف یہ دعویٰ ہی تحریر فرمایا ہے' اس جگہ انہوں نے کوئی دلیل تحریر نہیں کی ہے لیکن اس کی دلیل اور اس کی تائید میں دیگر مستند تفاسیر کے اقتباسات ہماری طرف سے پیش خدمت عالی کئے جاتے ہیں۔

ارشاد جناب باری تعالیٰ عزاسمہٗ ہوتا ہے: **وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَى O عَلَّمَهُ شَدِيْدُ الْقُوَى (53:3-5)**- اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے' یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا' اس کو سکھلایا ہے سخت قوتوں والے نے (ترجمہ جناب شیخ الہند) حاشیہ میں تحریر ہے کہ ''یعنی وحی بھیجنے والا تو اصل میں اللہ تعالیٰ ہے لیکن جس کے ذریعے سے وہ وحی آپ تک پہنچتی ہے اور جو بظاہر آپ کو سکھلاتا ہے وہ بہت سخت قوتوں والا بڑا زورآور حسین و وجیہہ فرشتہ ہے جسے جبریلؑ امین کہتے ہیں۔ یہاں حضرت نے اعتراف فرمایا ہے کہ ساری وحی جبریلؑ کی معرفت حضورﷺ کو ملی ہے' وحی کی بھی تعریف حضرت عثمانی کی زبانی ہی ملاحظہ فرمائیں۔ وہ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں ''یعنی کوئی کام تو کیا ایک حرف بھی آپ کے دہنِ مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو۔ بلکہ آپ جو کچھ دین کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ اس میں ''وحی متلوٗ'' کو قرآن اور غیر متلو کو حدیث کہا جاتا ہے۔'' اس اقتباس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت اقدس کے نزدیک وحی کی دو قسمیں ہیں اور دونوں طرح کی وحی جبریل کی معرفت آئی ہے یعنی قرآن کریم اور حدیث شریف دونوں جبریلؑ کی معرفت آئے ہیں۔ آپ اس خط کشیدہ فقرہ کو ذہن مبارک میں محفوظ رکھیں۔

صرف تبعاً یہ تحریر کیا جاتا ہے کہ حضرت اقدس نے اس حاشیہ میں جو کچھ فرمایا ہے اس میں خود تضاد واقع ہوتا ہے پہلے تو یہ فرمایا ''ایک حرف بھی آپ کے دہن مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو خواہشِ نفس پر مبنی ہو' اس کے بعد فوراً اگلے فقرہ میں ارشاد ہوتا ہے'' بلکہ آپ جو دین کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے مطابق ہوتا ہے'' اس جگہ انہوں نے دین اور دنیا کی تفریق فرما دی ہے۔ لیکن آیۂ کریمہ اور ان کے اپنے ترجمہ سے دین کی تخصیص نہیں ہوتی۔ ان کی دین کی تخصیص سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ دین کے علاوہ حضورﷺ کے دہن مبارک سے جو الفاظ نکلتے تھے وہ معاذ اللہ خواہش نفس پر مبنی ہوتے تھے یہاں حضرت نے نادانستہ طور پر جو کچھ ارشاد فرمایا ہے' وہ ہمارا ہی موقف ہے' ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے علاوہ جو گفتگو حضورﷺ فرماتے تھے وہ عقل

وفراست پر مبنی ہوتی تھی حضرت اقدس نے خواہش نفس کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، ہم عقل وفراست کہتے ہیں۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

(2) علمہ شدید القویٰ کے ذیل میں امام راغب نے فرمایا ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا یہاں قوت والے سے حضرت جبریلؑ علیہ السلام مراد ہیں۔ (مفردات امام راغب)۔

(3) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اکثر اہل تفسیر نے اسحا کو اختیار کیا ہے کہ شدید القویٰ سے مراد حضرت جبریلؑ ہیں۔ (تفسیر مظہری، جلد 12، ص 90)

(4) علمہ، ایاہ، ملك شديد القوىٰ ذومرةٍ قوةٍ شدةٍ او منظر حسن ای جبریلؑ ان کو ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے۔ جو بڑا طاقتور ہے۔ پیدائشی قوی ہے۔ نہایت مضبوط خوبصورت یعنی جبریل علیہ السلام۔ (جلالین)۔

(5) علمہ، شدید القویٰ۔ کلام اور صاحب کلام کی صفات بیان کرنے کے بعد یہ اس فرشتہ (جبریل) کی صفت بیان ہو رہی ہے جس نے اس کلام کو نبی علیہ السلام کو تعلیم دی۔ فرمایا کہ وہ شدید القویٰ یعنی تمام اعلیٰ صفات اور صلاحیتوں سے بھرپور اور اس کی ہر صفت اور صلاحیت نہایت محکم اور مضبوط ہے۔ (تدبر قرآن، جلد 8، ص 53)۔

(6) علمہ، شدید القویٰ کا ترجمہ آموختہ است اورا فرشتہ باقوت صاحبِ حسن۔ اس کی تفسیر میں ارشاد ہوتا ہے علمہ، بیا موزانید وپرا این وحی وآورد ید وفرشتہ شدید القویٰ سخت باقوت یعنی جبریل۔ (از فتح الرحمٰن وتفسیر حسینی)۔

(7) اس تفسیر کو کہ شدید القویٰ سے مراد جبریل ہیں ایک گروہ کثیر نے اختیار کیا ہے۔ من جملہ ان کے طبرسی نے مجمع البیان میں۔ بیضاوی نے انوار التزیل میں، زمخشری نے کشاف میں، قرطبی نے تفسیر روح البیان میں، فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں، سید قطب نے ظلال القرآن میں، مراغی نے اپنی تفسیر میں اور علامہ طباطبائی نے تفسیر المیزان میں سب نے یہی تحریر فرمایا ہے۔

ہم معذرت خواہ ہیں کہ آپ کو اتنے زیادہ حوالہ جات کو مطالعہ کرنا پڑا ہے۔ لیکن یہ تمام حوالہ جات اپنی تائید میں اس لئے پیش کئے ہیں کہ آپ کو حد درجہ یقین آ جائے کہ یہ ہمارا کوئی منفرد موقف نہیں ہے، بلکہ ان تمام تفاسیر کا بھی یہی موقف ہے کہ وحی صرف جبریلؑ کی معرفت آئی ہے۔ جبریلؑ کے واسطے کے بغیر وحی کا ایک لفظ بھی حضور ﷺ کو نہیں ملا۔

قرآن کریم کے اس واضح حکم کے بعد اب آپ تحریک طلوع اسلام کے ایک نہایت نمایاں اور سخت گیر اور

برافروختہ ناقد صاحب کا بیان بھی ملاحظہ فرمالیں۔ انہوں نے جناب مولانا مودودی صاحب مرحوم کے نظریہ کی ترجمانی کرتے ہوئے اور اس کو درست قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

سہ گونہ وحی

خدا کی یہ وحی، اس کے نبیوں اور رسولوں کو کن شکلوں اور صورتوں میں کی جاتی تھی؟ سورہ الشوریٰ میں اس کا تذکرہ بایں الفاظ موجود ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُولاً فَيُوحِيَ بِاِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ اِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ (42:51)-

(ترجمہ) کسی بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ اس سے روبرو بات کرے، اس کی بات یا تو وحی (اشارے) کے طور پر ہوتی ہے، یا پردے کے پیچھے سے، یا پھر وہ کوئی پیغام بر (فرشتہ) بھیجتا ہے اور وہ اس کے حکم سے جو کچھ چاہتا ہے وہ کرتا ہے وہ برتر وحکیم ہے۔

اس آیت میں وحی کی تین صورتیں مذکور ہیں۔

(1) القاد الہام، یعنی کسی خیال یا بات کو براہ راست دل میں ڈال دینا، یا خواب کے ذریعے کوئی بات سمجھا دینا یا دکھا دینا جیسے حضرت ابراہیمؑ و حضرت یوسفؑ کو دکھایا گیا۔

(2) پس پردہ کلام، جیسا از روئے قرآن حضرت موسیٰؑ سے کیا گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ، کو بغیر دیکھے، اس سے ہم کلامی کا شرف پا رہے تھے۔

(3) بذریعہ فرشتہ القاء والہام، یہ فرشتہ (جبرئیلؑ) کبھی اپنی اصلی، غیر مرئی شکل میں بھی آیا کرتا تھا اور کبھی انسانی شکل میں اس طرح مرئی و مشاہد ہوا کرتا تھا کہ دیکھنے والے اس کے اصلاً فرشتہ ہونے سے ناواقف و بےخبر ہوا کرتے تھے۔

اِلّا یہ کہ خود، اللہ تعالیٰ کا رسول، اس کے بارے میں حقیقت کو واضح فرما دیتا۔''

اس بیان میں محترم ناقد صاحب نے وحی کی پہلی صورت میں القاء والہام کا جو تصور پیش فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ علم حضورﷺ کو بغیر جبرئیلؑ کی وساطت سے ملتا تھا اور اسی کو یہ حضرات حدیث کہتے ہیں اور حدیث کی وجہ سے ہی یہ غلط تصور قائم کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا جناب مولانا مودودی صاحب مرحوم اور عزیز محترم جناب ناقد صاحب کا یہ موقف قرآن کریم کے بالکل خلاف ہے اور سترہ تفاسیر کے جو حوالہ جات دیئے گئے ہیں، ان سب کے بھی خلاف ہے۔ یہاں اس آیۂ کریمہ کی تفسیر کرنا مقصود نہیں

ہے کیونکہ اس کی تفسیر کئی مرتبہ پیش خدمت کی جا چکی ہے۔ اگر کسی صاحب کو دلچسپی ہو تو وہ میری کتاب ''قرآن فہمی کے قرآنی قوانین'' ملاحظہ فرمائیں جس کی Abriged Copy مہیا ہو جاتی ہے۔

یہاں تک گفتگو حدیث شریف کے متعلق کی گئی ہے کہ حدیث شریف کسی طرح بھی وحی نہیں ہو سکتی۔ ہمارے علماء کرام حدیث کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ حضورﷺ کا قول فعل اور تقریر حدیث ہوتی ہے لیکن ان اکثر روایات میں تو حضورﷺ کا قول ہوتا ہی نہیں۔ کل پانچ فیصدی روایات ایسی ہیں جن میں حضورﷺ کا قول درج ہوتا ہے۔ حوالہ آگے آتا ہے۔ ہمارے ہاں یہ ایک بڑی غلطی ہے کہ ہم جب حدیث کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو یہ روایات ہمارے پیش نظر نہیں ہوتیں۔ ہم کہتے حدیث ہیں اور مراد اس سے یہ روایات ہوتی ہیں۔ حدیث اور روایت میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ یہ اکثر وایات حضورﷺ کے اقوال نہیں ہیں بلکہ یہ راویوں کے وہ الفاظ ہیں جن الفاظ میں حضورﷺ کے اقوال وافعال کو روایت کیا گیا ہے۔

ہمارے علماء کرام یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ راویوں کے حافظے بڑے اچھے ہوتے تھے اور وہ حضورﷺ کے الفاظ بجنسہٖ نقل کرتے تھے لیکن ہمارے علماء کرام کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے کیونکہ ہمارے علماء کرام خود اس بات کے قائل ہیں کہ روایت بالمعنی کرنا بالکل جائز ہے۔ آپ روایت بالمعنی کی روداد ملاحظہ فرمائیں پہلے آپ روایت بالمعنی کا مفہوم سمجھ لیں کہ روایت بالمعنی سے مراد کیا ہے۔

روایت بالمعنی سے مراد یہ ہے کہ راوی حدیث کے الفاظ وکلمات کے بجائے حدیث کے مفہوم ومعنی کو اپنے الفاظ میں بیان کرے۔ یہ راوی کے اپنے الفاظ ہوتے ہیں یہ قول رسول یا نطق رسول قطعاً نہیں ہوتا۔

حافظ ابن صلاح نے روایۃ بالمعنی کی تعریف اس طرح کی ہے۔

اذاادارد روایۃ ما سمعہ علی معناہ دون لفظہ۔ یعنی جب راوی حدیث کے الفاظ کے بجائے اس کے معنے ومفہوم کی روایت کرے۔

(1) امام رازی فرماتے ہیں۔ یجوز نقل الخبر بالمعنی وھو مذھب الحسن البصری وابی حنیفہ خلافاً ابن سیرین و بعض المحدثین۔ (توجیہہ النظر۔ص 300)۔ (ترجمہ) امام حسن بصری اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک روایت بالمعنی کی اجازت ہے۔ ابن سیرین اور محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک اس کی اجازت نہیں ہے۔

(2) حافظ ابن رجب نے امام ترمذی کا یہ قول نقل کیا ہے۔

اما من اقام الاسناد و حفظه وغیر اللفظ فان هذا واسع عند اهل العلم اذا لم یتغیر المعنی۔ (شرح علل الترمذی۔ ج 1 ' ص 145)۔ (ترجمہ) جس راوی نے سند کو اچھی طرح حفظ کیا اور اسے برقرار رکھا' لیکن متن میں الفاظ کی تبدیلی کی' تو علمائے حدیث کے ہاں اس پہلو سے بڑی گنجائش ہے۔ بشرطیکہ لفظ کی تبدیلی سے مفہوم میں تبدیلی نہ آئے۔

(3) حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔ اما الروایة بالمعنی فالخلاف فیها شهیر والاکثر علی الجواز۔ (نزھت الخواطر' ص 94)۔ جہاں تک روایت بالمعنی کا تعلق ہے تو اس بارے میں علماء کا اختلاف مشہور ہے' لیکن جمہور کے نزدیک روایت بالمعنی جائز ہے۔

(4) جریر بن حازم کہتے ہیں۔ سمعت الحسن یحدث باحادیث' الاصل واحد والکلام مختلف۔ (ترجمہ) میں نے حصرت حسن بصری سے کئی ایسی روایات سنیں جن کا مفہوم ایک تھا اور الفاظ مختلف تھے۔

روایت بالمعنی کے بے شمار بیانات احادیث کی کتب میں آئے ہیں۔ ان سب کے نقل کرنے سے مضمون طویل ہوتا جاتا ہے لیکن ہم یہاں ایک عقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔ ہمارے علماء کرام کے نزدیک حدیث کی تعریف یہ ہے کہ قول رسول' فعل رسول اور تقریر رسول حدیث ہوتی ہے۔ اس تعریف کے ذیل میں قول رسول کے باللفظ روایت ہونے کی روداد پیش کر دی گئی ہے لیکن جو افعال رسول ہیں ان میں تو روایت باللفظ ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ ان میں حضورﷺ کے الفاظ ہوتے ہی نہیں۔ ان میں تو کوئی دوسرا شخص ہی حضورﷺ کے افعال بیان کرے گا۔ آپ اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

(1) حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ جب کبھی میں رسول اللہﷺ سے ملا آپ نے مجھ سے مصافحہ ضرور کیا۔ (رواہ' ابوداؤد۔ تفسیر مظہری' جلد 4' ص 120)۔

(2) شعبی کا بیان ہے کہ جعفر بن ابی طالب جب سفر سے واپس آئے تو رسول اللہﷺ نے ان کا استقبال کیا اور ان کو چمٹا لیا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان چوما۔ (رواہ' ابوداؤد' بحوالہ تفسیر مظہری' ص 120)۔

(3) حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے میں سفر میں رسول اللہﷺ کے ساتھ رہا' حضورﷺ نے (سفر میں) دو رکعت سے زائد نہیں پڑھیں۔ (رواہ' البخاری)

(4) صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہﷺ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے اور اکثر آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر حکم کا انتظار کرتے تھے' یہاں تک کہ آیت نازل ہوئی **قد نری تقلبک** الخ اور کعبہ شریف قبلہ مقرر ہوا۔

آپ نے یہ اقتباسات ملاحظہ فرمائے' یہ حضورﷺ کی فعلی احادیث ہیں۔ آپ غور فرمائیں کہ ان میں حضورﷺ کا کوئی قول نہیں ہے لیکن یہ سب راویوں کے الفاظ ہیں' لیکن ہمارے علماء کرام ان کو وحی خیال فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے ''مبادی تدبر حدیث'' میں تحریر فرمایا ہے کہ پچانوے فیصدی احادیث روایت بالمعنی ہیں۔ صرف پانچ فیصدی احادیث روایت باللفظ ہیں۔

ہماری گذارش علماء کرام سے بصد ادب و عاجزی یہی ہے کہ وہ اپنے موقف پر نظر ثانی کریں۔ ہماری بھی تحریک طلوع اسلام سے کوئی خونی رشتہ داری نہیں ہے بلکہ ہمارے نزدیک اس تحریک کی عزت واحترام صرف اس وجہ سے ہے کہ یہ تحریک خالص قرآنی نظریات کی حامل ہے اور قیام دین کی داعی ہے ہاں اگر ہمارے علماء کرام کسی طور پر بھی ان روایات کو وحی ثابت کر دیں اور دین کے قیام کو لازمی قرار دے دیں تو بے شک ہم ان کا مسلک تسلیم کر لیں گے کیونکہ ہم

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں

سیلاب زدگان کی بحالی وامداد

ادارہ باغبان ایسوسی ایشن کے تمام عہدیداران' تاحیات ممبران' عام ممبران' متفقین' ہمدرد اور باغبان ایسوسی ایشن کو بنظرِ تحسین دیکھنے والے تمام خواتین وحضرات سے پُرزور اپیل کرتا ہے کہ وہ سیلاب زدگان کی بحالی وامداد کا سلسلہ بدستور جاری رکھیں۔ اگر مناسب خیال کریں تو تفصیل سے آگاہ بھی کر دیں۔

حکومت نئے شہر بسانے کی سوچ رہی ہے اس سلسلہ میں خاص کر حکومت پنجاب سے استدعا ہے کہ سال 2006ء بندوبست اراضی کا سال تھا' جس میں بندوبست اراضی نہیں کیا جا سکا۔ اب بندوبست اراضی کے ساتھ بحالی وآبادکاری ایک ساتھ شروع کی جائے تاکہ بے زمین' بے مکان تمام لوگ ان اصلاحات سے فائدہ اٹھا سکیں۔

پتہ رابطہ: ملک حنیف وجدانی' صدر باغبان ایسوسی ایشن' سنبل سیداں' نیومری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لغات القرآن

ص ل و (ی)

اگرچہ صلٰوۃ اور اس کے جملہ مشتقات کا تعلق (ص۔ل۔و) ہی سے ہے لیکن علمائے لغت نے اس ضمن میں بعض ایسے مشتقات بھی بیان کئے ہیں جو (ص۔ل۔ی) سے متعلق ہیں اوران سے بھی صلٰوۃ کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے' اس لئے اس عنوان میں مادہ کے آخر کا ''واؤ'' اور ''ی'' دونوں ہی آ گئے ہیں۔ ویسے ہم نے (ص۔ل۔ی) کا ایک جداگانہ عنوان بھی رکھا ہے جو آگے آتا ہے۔ چونکہ ''صلٰوۃ'' دین کا ایک بنیادی گوشہ ہے اور قرآن کریم میں یہ اصطلاح اور اس کے متعلقات بڑی کثرت سے آئے ہیں اس لئے یہ عنوان بڑا اہم' اوراس کے مباحث خاص غور وفکر کے محتاج ہیں۔ ہم انہیں نسبتاً تفصیل سے بیان کریں گے۔

(۱) اَلصَّلاَ پشت کا درمیانی حصہ۔ کولھے کا ڈھلوان یا وہ حصہ جس پر جانور کی دم لگے۔ دم کے دونوں جانب کے حصے صلوان کہلاتے ہیں۔ اس کی جمع صلوٰت یا اصلاء آتی ہے (تاج)۔ صلا۔ یصلو۔ صلوا کے معنی ہیں صلا (مذکورہ صدر حصہ) پر مارنا۔ صلوتہ۔ میں نے اس کے صلا پر مارا۔

(۲) الصلا کی نسبت سے' صلی الفرس تصلیۃ اس وقت کہتے ہیں جب گھوڑ دوڑ میں' دوسرے نمبر کا گھوڑا' پہلے نمبر کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے اس طرح دوڑ رہا ہو کہ پچھلے کی کنوتیاں' پہلے کی سرین سے مل رہی ہوں۔ اس گھوڑے کو جو آگے جارہا ہو' سابق کہتے ہیں اور دوسرے نمبر والے گھوڑے کو المصلی۔ اس سے صلیٰ کے معنی ہیں اگلے کے ساتھ ملے ہوئے پیچھے پیچھے آنا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی ایک روایت میں ہے سبق رسول اللہ۔ و صلی ابوبکر و ثلث عمر و خبطتنا فتنۃ۔ ''رسول اللہؐ پہلے تشریف لے گئے اور آپ کے پیچھے پیچھے ابوبکرؓ اور ان کے پیچھے عمرؓ بھی چلے گئے اور ہمیں فتنوں نے بدحواس کر دیا (تاج)''۔

(۳) تاج میں ہے کہ صلی و اصطلی کے معنی لزوم یعنی وابستگی کے ہیں۔ یعنی کسی کے ساتھ لگے رہنا اور چمٹے رہنا۔ اسی بنا پر راغب نے کہا ہے کہ قرآن کریم میں جو ہے لم نک من المصلین (۷۴/۴۳)۔ ''ہم مصلین میں سے

نہیں تھے"۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ "ہم انبیاء کے پیچھے پیچھے چلنے والوں میں سے نہیں تھے"۔ قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس جہت سے صلوٰۃ کے معنی ہونگے احکام الٰہی سے وابستگی۔ حدود اللہ کے اندر رہنا اور کتاب اللہ سے چمٹے رہنا۔ لہٰذا تصلیۃ کے معنی ہیں اگلے کے پیچھے اس طرح چلنا کہ ان دونوں میں فاصلہ نہ ہو لیکن پیچھے چلنے والا آگے جانے والے سے آگے نہ بڑھے بلکہ وابستگی سے اس کا اتباع کرے۔

(۴) ان تصریحات سے صلوٰۃ کا بنیادی مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے سمجھنے کے لئے پہلے ایک مختصر سی تمہید کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ خدا اور بندے کا تعلق کیا ہے؟ خدا' اس ذات (Personality) کا نام ہے جو بلند ترین' مکمل ترین' مستحکم ترین' اور حسین ترین ہے۔ اس نے انسان کو بھی ذات (Personality) عطا کی ہے (اور اسے "روحنا" کہہ کر پکارا ہے۔ دیکھئے عنوان روح)۔ یہ ذات' ذات خداوندی کے مقابلہ میں محدود اور پست درجہ کی ہے۔ اسے اپنی نشوونما کے لئے صفات خداوندی کو اپنے سامنے بطور نصب العین رکھنا ہوتا ہے۔ ہم خدا کی ذات کے متعلق کچھ نہیں سمجھ سکتے البتہ اس نے اپنی جو صفات وحی کے ذریعہ (قرآن کریم میں) بیان کی ہیں ان صفات کا اپنے اندر اجاگر کرتے جانا انسانی ذات کی نشوونما کا موجب بنتا ہے۔ قرآن کریم نے صفات خداوندی کو "الاسماء الحسنٰی" سے تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا انسان کا فریضہ یہ ہے کہ ان اسماء (صفات) خداوندی کو اپنے سامنے بطور معیار رکھ کر' ان کے پیچھے پیچھے چلتا جائے۔

قرآن کریم کی سب سے پہلی سورت میں ہمیں جو دعا سکھائی گئی ہے (یعنی جس نصب العین کے حصول کو ہمارے لئے مقصد زندگی تجویز کیا گیا ہے) وہ یہ ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم (۱/۵)۔ یعنی اس توازن بدوش راستے کی طرف راہنمائی کی تمنا جو ہمیں انسانیت کی منزل مقصود تک لے جائے اور سورہ ھود میں ہے ان ربی علی صراط مستقیم (۱۱/۵۶)۔ "میرا رب صراط مستقیم پر ہے"۔ یعنی جس صراط مستقیم پر چلنے کے لئے مومنین سے کہا گیا ہے وہ وہی راستہ ہے جس پر خدا کائنات کو چلا رہا ہے۔ ہم اس راستے پر کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہنے سے چل سکتے ہیں۔ لہٰذا صلوٰۃ کا بنیادی مفہوم ہے کتاب اللہ کے ساتھ پوری پوری وابستگی سے اپنے اندر (علیٰ حد بشریت) صفات خداوندی کا منعکس کئے جانا۔

(۵) سورۃ نور میں ہے الم تر ان اللہ یسبح لہ من فی السمٰوٰت والارض والطیر صفت۔ کل قد علم صلاتہ و تسبیحہ (۲۴/۴۱)۔ "کیا تو نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ وہ ہے کہ اسی کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور پر پھیلائے ہوئے پرند بھی۔ ہر ایک اپنی اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کو جانتا ہے"۔ یعنی کائنات کی ہر شے اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کو اچھی طرح جانتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کائنات کی ہر شے (اپنی فطری جبلت کی رو سے) جانتی ہے کہ اس کے فرائض منصبی کیا ہیں۔ اسے کس راستے پر چلنا اور کس منزل تک پہنچنا ہے۔ اس کی جدوجہد کے دوائر کون سے ہیں۔ اسی چیز کو ان کی صلوٰۃ اور تسبیح سے تعبیر کیا گیا ہے (تسبیح کے لئے دیکھئے

عنوان س۔ب۔ح)۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ انسان کو ان چیزوں کا علم (حیوانات کی طرح) جبلی طور پر نہیں دیا گیا۔ اسے یہ سب کچھ وحی کے ذریعے بتایا گیا ہے۔ جہاں تک اس کی طبعی ضروریات کا تعلق ہے' انسان ان چیزوں کا علم' عقل وفکر اور تجربہ ومشاہدہ سے حاصل کر سکتا ہے لیکن جہاں تک اس کی ''انسانیت'' کے تقاضوں کا تعلق ہے یہ چیزیں وحی کے ذریعے ہی معلوم ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا انسان کو یہ جاننے کے لئے کہ اس کی ''صلوٰۃ وتسبیح'' کیا ہے' وحی کا ماننا اور جاننا ضروری ہے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے وحی کے دیے ہوئے پروگرام پر عمل کرنا لازمی ہے۔ اسے قرآن کریم نے اقامت صلوٰۃ کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔ (و یقیمون الصلوٰۃ ۲/۳)۔ یعنی قوانین خداوندی کا اتباع کرنا۔

لیکن وحی کے دیئے ہوئے پروگرام پر عمل پیرا ہونا (اقامت صلوٰۃ) انفرادی طور پر ممکن نہیں۔ یہ صرف اجتماعی نظام کے ماتحت ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس کے لئے جمع کے صیغے استعمال کئے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک اسلامی مملکت کا فریضہ ہی یہ بتایا ہے الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف و نھوا عن المنکر (۲۲/۴۱)۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں زمین میں اقتدار حاصل ہوگا تو یہ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کریں گے (زکوٰۃ کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان ز۔ک۔و)۔ اور معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے''۔ انہی کو دوسری جگہ الراکعون الساجدون (۹/۱۱۲) کہا ہے۔ یعنی رکوع کرنے والے' سجدہ کرنے والے۔ (رکوع اور سجدۃ کے لئے دیکھئے عنوانات ر۔ک۔ع اور س۔ج۔د)۔ اور یہی وجہ ہے کہ دوسری جگہ اقامت صلوٰۃ اور امور مملکت کے لئے باہمی مشاورت کا اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ اقاموا الصلوٰۃ و امرھم شوریٰ بینھم (۴۲/۳۸)۔ ''وہ اقامت صلوٰۃ کرتے ہیں اور ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں''۔ اور چونکہ جماعت مومنین کی زندگی کے تمام امور قوانین خداوندی (کتاب اللہ) کے مطابق سرانجام پاتے ہیں اس لئے سورۃ اعراف میں تمسک بالکتاب اور اقامت صلوٰۃ کو ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے (۷/۱۷۰)۔ لہٰذا اقامت صلوٰۃ سے مفہوم ہے ایسا نظام (یا معاشرہ) قائم کرنا جس میں تمام افراد' قرآن کریم کے قوانین کا اتباع کرتے چلے جائیں' اور یوں کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہیں۔ اس مقصد کی مزید وضاحت کے لئے قرآن کریم میں صلی کے مقابلہ میں تولی کا لفظ آیا ہے (۷۵/۳۰-۳۱)۔ تولی کے معنی ہیں صحیح راستہ سے روگردانی کرنا' گریز کی راہیں نکالنا' پھر جانا' منہ موڑ لینا۔ اس لئے صلی کے معنی ہوئے قوانین خداوندی کے مطابق صحیح راستہ پر چلتے جانا۔ نظام خداوندی کے متعین کردہ فرائض منصبی کو ادا کرتے جانا۔ علامہ حمید الدین فراہی نے اسی اعتبار سے کہا ہے کہ صلوٰۃ کے ایک معنی کسی کی طرف بڑھنے' رخ کرنے اور متوجہ ہونے کے ہیں (مفردات القرآن)۔ سورۃ علق میں ہے۔ اَرء یت الذی ینھی

عبدا اذا صلی (۱۰-۹/۹۶)۔ یعنی جب خدا کا بندہ اپنے فرائض منصبی کو ادا کرنا چاہتا ہے تو یہ (مخالف) اس کے راستے میں رکاوٹیں ڈالتا ہے۔

ان فرائض منصبی کا دائرہ بہت وسیع ہے اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کو یہ محیط نہ ہو۔ چنانچہ سورہ ھود میں ہے کہ حضرت شعیبؑ سے ان کی قوم نے کہا کہ اصلوٰتک تامرك ان نترك ما يعبد آبائونا او ان نفعل فی اموالنا مانشؤ (۱۱/۸۷)۔ ''کیا تیری صلوٰۃ تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں جس کی عبادت ہمارے باپ دادا اختیار کئے چلے آ رہے ہیں۔ یا ہم اپنے مال و دولت کو بھی اپنی مرضی کے مطابق خرچ نہ کریں''؟ یعنی ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ یہ کیسی صلوٰۃ ہے جو معاشیات تک کو بھی اپنے دائرے کے اندر لے لیتی ہے۔ اس سے بھی صلوٰۃ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی زندگی کے ہر شعبے میں' قوانین خداوندی کے مطابق عمل کرنے کا نام صلوٰۃ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ (تفصیل اس اجمال کی کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو) بات سمٹ سمٹا کر یہاں آ جاتی ہے کہ انسان اپنے معاملات کا فیصلہ اپنی مرضی (خواہشات اور جذبات) کے مطابق کرنا چاہتا ہے یا وحی خداوندی کے مطابق؟ اپنے تمام معاملات کو وحی خداوندی کے تابع رکھنے کا نام ''اقامت صلوٰۃ'' ہے۔ چنانچہ سورۃ مریم میں ''اقامت صلوٰۃ'' اور ''اتباع جذبات'' کو ایک دوسرے کے مقابل لا کر اس مفہوم کو واضح کر دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات.......... (۱۹/۵۹)۔ (انبیائے کرام کے بعد) ''ایسے ناخلف پیدا ہو گئے کہ انہوں نے صلوٰۃ کو ضائع کر دیا اور اپنے جذبات وخیالات (اپنی خواہشات) کے پیچھے چلنے لگ گئے'' گویا انسان کا اپنی خواہشات کے پیچھے چلنا صلوٰۃ کو ضائع کر دینا ہے اور قوانین خداوندی کے پیچھے چلنا صلوٰۃ کا قائم رکھنا ہے۔ سورۃ انعام میں ''محافظت صلوٰۃ'' کو آخرت اور کتاب اللہ پر ایمان رکھنے کے مرادف قرار دیا گیا ہے۔ (۶/۹۳)۔ اسی بنا پر ابن قتیبہ نے الصلوٰۃ کے معنی الدین کئے ہیں (القرطبین۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۳' یہ معنی محیط اور اقرب الموارد نے بھی دیئے ہیں۔)۔ یعنی اقامت صلوٰۃ درحقیقت اقامت دین ہے۔

(۶) الصلّیٰ کے معنی آگ اور ایندھن کے ہیں۔ اس سے صلی عصاہ علی النار کے معنی ہیں' اس نے اپنی لکڑی (لاٹھی) کو آگ دکھا کر نرم اور سیدھا کیا۔ سلب ماخذ کے اعتبار سے صلی کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اس نے آگ کو ہٹایا اور دور کیا۔ (روح المعانی)۔

اس اعتبار سے دیکھئے تو صلوٰۃ کے معنی ہوں گے اپنی خامیوں کو رفع کرنا۔ صاحب المنار نے کہا ہے کہ صلوٰۃ قولاً وعملاً اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ ہم اپنی خامیوں کو رفع کرنے کے لئے' نقائص سے بالاتر ایک ذات (کی راہنمائی) کے محتاج ہیں۔ اسی جہت سے قرطبی نے کہا ہے کہ صلوٰۃ درحقیقت خدا کی محکومیت اور اطاعت کو کہتے ہیں۔

(۷) صلوٰۃ کے ایک معنی جھکانا اور کسی کو اپنی طرف مائل کرنا بھی ہیں (محیط۔)۔ اس جہت سے صلوٰۃ کا مفہوم ہو گا۔

کائنات کو مسخر کرنا اور اسے اپنے تابع فرمان بنانا۔

(۸)　الصلوٰۃ کے ایک معنی تعظیم کے بھی ہیں (تاج)۔ یعنی اپنے عملی پروگرام سے کائنات کو نشوونما دینے والے (رب العالمین) کی عظمت کو ثابت کرنا۔ اس سے اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا باہمی تعلق واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی قوانین خداوندی کے مطابق ایسا پروگرام مرتب کرنا اور اس پر عملاً چلنا جس سے تمام نوع انسان کی نشوونما ہوتی جائے۔

(۹)　صلوٰۃ کے جو مختلف مفاہیم اوپر بیان ہوئے ہیں' ان سے ظاہر ہے کہ ایک عبد مومن' زندگی کے جس گوشے میں بھی قوانین خداوندی کے مطابق اپنے فرائض منصبی ادا کرتا ہے' وہ فریضۂ صلوٰۃ ہی کو ادا کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے لئے وقت' مقام یا شکل کا تعین ضروری نہیں۔ لیکن قرآن کریم میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں صلوٰۃ کا لفظ ایک خاص قسم کے عمل کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً

(الف)　یـایهـا الـذیـن آمـنـوا اذا قمتم الـی الـصـلـوۃ فـاغـسـلـوا وجوهکم و ایدیکم الی الـمـرافق و امسحوا برء وسکم و ارجلکم الی الکعبین۔ (۵/۶)۔

''اے ایمان والو! جب تم صلوٰۃ کے لئے کھڑے ہو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھولیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو۔'' اس کے بعد ہے کہ اگر تمہیں پانی نہ ملے تو تیمّم کر لیا کرو۔

(ب)　سورۃ نساء میں ہے یـایهـا الـذیـن آمـنـوا لا تـقـربـوا الـصـلـوۃ وانتم سکاریٰ۔ حتیٰ تعلموا ماتقولون (۴/۴۳)۔

''اے ایمان والو۔ تم صلوٰۃ کے قریب نہ جاؤ درآنحالیکہ تم حالت سکر (نشہ یا نیند) میں ہو۔ تاآنکہ تم جو کچھ منہ سے کہو اسے سمجھو (کہ کیا کہہ رہے ہو)''۔ اس کے بعد پھر تیمّم کا ذکر ہے۔ (بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں مساجد میں جانے کا ذکر ہے۔ لیکن یہ بحث الگ ہے)۔

(ج)　نبی اکرمؐ سے ارشاد ہے کہ اذا کـنـت فیهـم فـاقـمـت لهـم الـصـلـوۃ فـلـتقم طائفة منهم مـعـک و لـیـاخـذوا اسـلـحـتهـم۔ فـاذا سجدوا ولیکونوا من ورائکم۔ ولتات طائفة اخری لم یـصـلـوا فـلـیـصـلّوا معک ولیاخذوا حذرهم واسلحتهم............(۴/۱۰۲)۔

''اور جب تو ان کے درمیان ہو۔ پھر ان کے لئے قیام صلوٰۃ کرے۔ تو چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ تیرے ساتھ کھڑا ہو' اور چاہئے کہ وہ اپنے ہتھیار لے لیں۔ پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو وہ تمہارے پیچھے ہو جائیں' اور چاہئے کہ دوسرا گروہ جنہوں نے صلوٰۃ ادا نہیں کی وہ تیرے ساتھ صلوٰۃ ادا کریں۔ اور وہ اپنے بچاؤ (کا سامان) اور اپنے ہتھیار لئے رہیں۔'' اس کے بعد ہے فاذا قـضـیتم الصلوٰۃ فـاذکـروا الله قیاما وقعودا وعـلـیٰ جـنـوبـکـم۔ فـاذا طـمـانـنـتم فـاقیموا الـصـلـوٰۃ............(۴/۱۰۲)۔ ''پھر جب تم صلوٰۃ ادا کر چکو تو کھڑے' بیٹھے' لیٹے جس طرح جی چاہے اللہ کا ذکر کرو۔ پھر جب

تم اطمینان کی حالت میں ہو تو قیامِ صلوٰۃ کرو۔''

اس سے پہلی آیت یہ ہے فاذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ۔ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا............(۴/۱۰۱)۔ ''اور جب تم زمین میں سفر کرو تو اس میں تمہارے لئے حرج کی بات نہیں کہ تم صلوٰۃ کو کم کر لو اگر تمہیں ڈر ہو کہ کفار (مخالفین) تمہیں تکلیف پہنچائیں گے۔'' اس ضمن میں (۲/۲۳۹) بھی دیکھئے۔

صلوٰۃ کے کم کرنے کا طریق (۴/۱۰۲) میں بیان ہو چکا ہے۔

(د) سورہ مائدہ میں ہے و اذا نادیتم الی الصلوۃ اتخذوھا ھزوا ولعبا............(۵/۵۸)۔ ''اور جب تم صلوٰۃ کے لئے آواز دیتے ہو تو (مخالفین) اسے ہنسی اور مذاق (کھیل) بنا لیتے ہیں۔'' سورۃ الجمعۃ میں ہے اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع۔ ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ فازا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون .... (۱۰-۹/۶۲)۔ ''جب جمعہ کے دن (یا اجتماع کے وقت) صلوٰۃ کے لئے بلایا جائے تو ''اللہ کے ذکر'' کی طرف جلدی آ جایا کرو اور کاروبار کو چھوڑ دیا کرو۔ اگر تمہیں (اس کی اہمیت کا) علم ہو (تو تم اس حقیقت کو محسوس کر لو گے کہ) یہ تمہارے لئے (کس قدر) بہتر ہے۔ پھر جب صلوٰۃ ختم ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو اور ''اللہ کا بہت ذکر کرو''۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ''۔ اس کے بعد ہے کہ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ انہیں جب کاروبار یا کھیل تماشہ نظر آ جاتا ہے تو اس کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور تجھے کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔ ان سے کہو کہ جو کچھ اللہ کے ہاں سے تمہیں مل سکتا ہے وہ کھیل اور کاروبار سے کہیں بہتر ہے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ (۶۲/۱۱)۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآن کریم میں صلوٰۃ کا لفظ ان اجتماعات کے لئے بھی آیا ہے جنہیں عام طور پر نماز کے اجتماعات کہا جاتا ہے۔ (نماز کا لفظ عربی زبان کا نہیں۔ پہلوی زبان کا ہے)۔ ان اجتماعات کے سلسلہ میں ایک بات خاص طور پر سمجھنے کے قابل ہے۔ جیسا کہ (ع۔ب۔د) کے عنوان میں وضاحت سے بتایا جائے گا' قرآن کریم کی رو سے ''خدا کی عبادت'' سے مفہوم اس قسم کی ''پرستش'' یا ''پوجا پاٹ'' نہیں جو عام طور پر اہل مذاہب کے ہاں پائی جاتی ہے۔ قرآن کریم کی رو سے ''عبادت'' کا مفہوم خدا کے قوانین و احکام کی اطاعت یا ''اللہ کی محکومیت اختیار کرنا ہے''۔ ظاہر ہے کہ اللہ کی یہ محکومیت' زندگی کے ہر سانس اور کاروبارِ حیات کے ہر شعبہ میں اختیار کی جائے گی۔ اس کی عملی شکل وہ نظامِ مملکت ہے جو قرآنی اصولوں کے مطابق متشکل کیا جاتا ہے۔ اسی نظام کے حاملین کے متعلق فرمایا و الذین استجابوا لربھم و اقاموا الصلوۃ و امرھم شوریٰ بینھم و مما رزقنھم ینفقون (۴۲/۳۸)۔ ''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نشوونما دینے

والے کی اطاعت کرتے ہیں اور اقامت صلوٰۃ کرتے ہیں۔اور ان کا معاملہ باہمی مشورہ سے طے ہوتا ہے اور جو کچھ ہم انہیں دیتے ہیں وہ اسے (نوعِ انسانی کی ربوبیت کے لئے) کھلا رکھتے ہیں''۔ان آیات میں' اطاعت خداوندی' اقامت صلوٰۃ اور امور مملکت کے طے کرنے کے لئے باہمی مشاورت کا ارتباط غور طلب ہے۔ظاہر ہے کہ قوانین خداوندی کے نفاذ کے متعلق ضروری امور کا فیصلہ کرنے کے لئے باہمی مشاورت کی ضرورت ہوگی' اور مشاورت کے لئے اجتماعات بھی ضروری ہوں گے۔وسیع معنوں کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ اجتماعات بجائے خویش ''اقامت صلوٰۃ'' ہی کا ایک حصہ ہوں گے۔لیکن ان اجتماعات میں ایک اور حقیقت کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔جیسا کہ (ر۔ک۔ع) اور (س۔ج۔د) کے عنوانات میں لکھا جا چکا ہے' انسان اپنے جذبات کا اظہار جسم کے اعضا کی محسوس حرکات سے بھی کرتا ہے' اور یہ چیز اس میں ایسی راسخ ہو چکی ہے کہ اس سے یہ حرکات خود بخود سرزد ہوتی رہتی ہیں۔غم وغصہ' خوشی' تعجب' عزم وارادہ' ہاں اور نہ' وغیرہ قسم کے جذبات اور فیصلوں کا اظہار' انسان کی طبعی حرکات سے بلا ساختہ ہوتا رہتا ہے۔یہی کیفیت جذبات عزت و احترام اور اطاعت و انقیاد کے اظہار کی ہے۔تعظیم کے لئے انسان کا سر بلا اختیار نیچے جھک جاتا ہے۔اطاعت کے لئے ''سر تسلیم خم'' ہو جاتا ہے۔اگرچہ قرآن کریم عمل کی روح اور حقیقت پر نگاہ رکھتا ہے' اور محض (Formalism) کو کوئی وزن نہیں دیتا' لیکن جہاں کسی جذبہ کی روح اور حقیقت کے اظہار کے لئے (Form) کی ضرورت ہو' اس سے روکتا بھی نہیں' بشرطیکہ اس (Form) ہی کو مقصود بالذات نہ سمجھ لیا جائے۔صلوٰۃ کے سلسلہ میں قیام وسجدہ وغیرہ کی جو عملی شکل ہمارے سامنے آئی ہے' وہ اسی مقصد کے لئے ہے۔یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ان جذبات کا اظہار' اجتماعی شکل میں ہو' تو اظہار جذبات کی محسوس حرکات میں ہم آہنگی کا ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے' ورنہ اجتماع میں انتشار ابھرتا دکھائی دے گا۔احترام وعظمت' انقیاد واطاعت اور فرماں پذیری و خود سپردگی کے والہانہ جذبات کے اظہار میں نظم وضبط کا ملحوظ رکھنا' بجائے خویش بہت بڑی تربیت نفس ہے۔یہ اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ

بے قراری ہے کس قرار کے ساتھ

جبر ہے دل پہ اختیار کے ساتھ

یہ ہے جذبات اطاعت وتسلیم کے اظہار کی وہ منضبط شکل (صلوٰۃ) جسے قرآن کریم' جماعت مومنین کی مجالس ومشاورت کا ضروری حصہ قرار دیتا ہے۔(جس طرح آج کل ہمارے ہاں جلسوں کی کارروائی کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے کیا جاتا ہے اگرچہ یہ چیز محض رسماً ادا کر دی جاتی ہے)۔(والذین استجابوا الربھم و اقاموا لصلوٰۃ۔ وامرھم شوری بینھم) ان اجتماعات کی اہمیت کے پیش نظر' قرآن کریم نے انہیں کتابا موقوتا (۴/۱۰۳) کہا ہے۔اس کے ایک معنی ہیں ''خاص طور پر مقرر کردہ فریضہ''۔اور دوسرے معنی ہیں ''ایسا فریضہ جو وقت پر ادا کیا جاتا ہے''۔اجتماعات کے لئے وقت کی پابندی جس قدر ضروری ہے وہ ظاہر ہے۔اسی لئے سورۃ الجمعہ کی جو آیت پہلے درج کی جا چکی ہے' اس میں خاص طور پر کہا

گیا ہے کہ جب اس اجتماع کے لئے بلایا جائے تو اسے تمام دیگر مصروفیات پر ترجیح دو۔ تمام کاروبار چھوڑ کر فوراً اس طرف آ جاؤ اور جب تک اس سے فارغ نہ ہو جاؤ کسی اور کام کی طرف دھیان مت دو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا امیر' تمہارے سامنے ضروری معاملات پیش کر رہا ہو' ان کی اہمیت سمجھا رہا ہو' اور تم کاروبار کے لئے باہر نکل جاؤ۔ (وتركوك قائما)۔

یوں تو جماعت مومنین کی ساری زندگی' دن رات' صبح شام' قوانین خداوندی کی اطاعت اور ان کے نفاذ کی تگ و تاز میں گزرتی ہے' لیکن اجتماعات کے لئے خاص اوقات کا تعین ضروری ہوتا ہے۔ خواہ یہ اجتماعات معمولاً منعقد ہوں یا ہنگامی طور پر بلائے جائیں۔ ذہن انسانی کی توہم پرستیوں نے' جہاں زندگی کے اور گوشوں میں ''سعد و نحس'' کے افسانے تراشے تھے وہاں دن اور رات کے بعض اوقات کے لئے بھی اسی قسم کے تصور قائم کر رکھے تھے۔ سورج نکلتے وقت فلاں کام نہیں کرنا چاہئے۔ زوال کے وقت یوں نہیں کرنا چاہئے۔ دن اور رات کے ملتے وقت فلاں کام نہیں کرنا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ قرآن کریم نے جہاں اور توہم پرستیوں کا خاتمہ کر دیا وہاں اوقات کے سلسلہ میں بھی یہ کہہ کر بات واضح کر دی کہ دن اور رات میں نہ کوئی ساعت نحس ہے نہ سعد۔ اس لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ فلاں وقت فلاں کام نہیں کرنا چاہئے۔ جہاں تک اجتماعات صلوٰۃ کا تعلق ہے۔ اقم الصلوٰۃ لدلوك الشمس الى غسق اليل۔ و قران الفجر ......(۱۷/۷۸)۔ تم ''دلوك الشمس'' سے رات کی تاریکی تک اقامت صلوٰۃ کر سکتے ہو اور صبح کے وقت کا قرآن بھی۔ (د۔ل۔ک) کے عنوان میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ ''دلوک'' میں' صبح سے شام تک کا سارا وقت آ جاتا ہے' بالخصوص جب سورج کے بلند ہونے۔ نصف النہار تک پہنچنے' مائل بہ زوال ہونے اور غروب ہو جانے کی مختلف منازل کو (خاص طور پر) اس میں شامل کرنا مقصود ہو۔ ان مختلف منازل کی طرف اشارہ کرنے سے مقصود' ان توہم پرستیوں کی تردید تھا جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ انہی کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے جن میں کہا گیا ہے کہ و اقم الصلوٰۃ طرفی النهار و زلفا من اليل (۱۱/۱۱۴)۔ ''دن کے دونوں اطراف اور رات کے حصوں میں اقامت صلوٰۃ کرو''۔

ان اوقات کا ذکر تو خصوصیت سے لفظ صلوٰۃ کے ساتھ کیا گیا ہے' ویسے اقامت دین کے سلسلہ میں جماعت مومنین کی تگ و تاز کے سلسلہ میں (جسے قرآن کریم تسبیح و تحمید و تذکیر کے اصطلاحات سے تعبیر کرتا ہے) دن' رات کے تمام اوقات کا ذکر آیا ہے۔ دیکھئے (۳/۱۹۰)' (۲۰/۱۳۰)' (۵۰/۳۹)' (۵۲/۴۹) وغیرہ۔

سورۃ نور میں صلوٰۃ الفجر اور صلوٰۃ العشاء کا ذکر (ضمناً) آیا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ تمہارے گھر کے ملازمین کو چاہئے کہ وہ تمہاری (Privacy) کے اوقات میں' اجازت لے کر کمرے کے اندر آیا کریں۔ یعنی من قبل صلوٰۃ الفجر و حين تضعون ثيابكم من الظهيرة ومن بعد صلوٰۃ العشا (۲۴/۵۸) ''صلوٰۃ الفجر سے پہلے اور جب تم دوپہر کو کپڑے اتار

دے دیتے ہو اور صلوٰۃ العشاء کے بعد"۔ اس سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اجتماعات صلوٰۃ کے لئے (کم از کم) یہ دو اوقات متعین تھے۔ جبھی تو قرآن کریم نے ان کا ذکر نام لے کر کیا ہے۔

جہاں تک صلوٰۃ میں کچھ پڑھنے کا تعلق ہے' یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم نے کہا ہے کہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم کیا پڑھ رہے ہو (۴/۴۳)۔ دوسرے مقام میں ہے ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا۔ وابتغ بین ذالک سبیلا (۱۷/۱۱۰)۔ "اور اپنی صلوٰۃ کو نہ تو بلند آواز سے ادا کر اور نہ خاموشی سے۔ ان دونوں کے درمیان راستہ اختیار کر"۔ بعض لوگوں کا خیال ہے اس آیت میں صلوٰۃ سے مراد عام دعا یا ذکر ہے۔ نماز نہیں۔ لیکن یہ خیال صحیح نظر نہیں آتا۔ "ذکر" کے متعلق قرآن کریم میں بہ صراحت موجود ہے (۷/۲۰۵) کہ اسے خاموشی سے دل میں کرنا چاہئے۔ بہ آواز بلند نہیں۔ (ذکر سے مراد' قانون خداوندی کی یاد ہے)۔ اس لئے مندرجہ بالا آیت میں صلوٰۃ سے مراد "نماز" ہی ہوسکتی ہے۔ قرطبی نے اس کے معنی قرأت لکھے ہیں۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ ان مقامات میں صلوٰۃ سے مراد اجتماعات صلوٰۃ ہیں۔ (اس کے لئے فعل صلی۔ یصلی آتا ہے)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے جہاں "اقیموا الصلوٰۃ" کہا ہے وہاں' بہ ہیئتِ مجموعی' اس سے مراد ہے' اقامتِ دین۔ (یعنی نظام خداوندی کی تشکیل و استحکام)۔ قوانین واحکام خداوندی کا اتباع۔ ان فرائض منصبی کی ادائیگی جو ایک عبد مومن پر عائد ہوتے ہیں۔ لیکن بعض مقامات پر اس سے مراد ہیں اجتماعاتِ صلوٰۃ جو خود دین کے نظام کا جزو ہیں۔ متعلقہ مقامات میں یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ وہاں اقامت صلوٰۃ سے مقصود کیا ہے۔ اسی طرح جہاں جہاں "مصلین" آیا ہے وہاں بھی یہ دیکھنا ہوگا کہ اس سے مراد جماعت مومنین (بہ ہیئت مجموعی) ہے یا صرف اجتماعات صلوٰۃ میں شرکت کرنے والے' اس لئے کہ قرآن کریم نے ان "مصلین" کا بھی ذکر کیا ہے جو شرفِ انسانیت کی بلندیوں پر ہیں (دیکھئے (۷۰/۲۲-۳۵)۔ اور ان کا بھی جن کے لئے تباہی ہے (۱۰۷/۴-۷)۔

(۱۰) صلی علیه۔ راغب نے لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں تعظیم کرنا۔ دعا دینا۔ حوصلہ افزائی کرنا۔ پروان چڑھانا۔ نشوونما دینا۔ کسی قسم کی خرابی یا فساد پیدا نہ ہونے دینا (راغب و تاج)۔

ان معانی کو سامنے رکھنے سے قرآن کریم کے ان مقامات کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے جن میں یہ مادہ علیٰ کے صلہ کے ساتھ آیا ہے۔ مثلاً سورۃ احزاب میں جماعت مومنین سے کہا گیا ہے ھو الذی یصلی علیکم و ملٰئکته .... (۳۳/۴۳)۔ "خدا اور اس کے ملائکہ (کائناتی قوتیں) تمہاری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ تمہاری نشوونما کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ تمہاری کوششوں کو پروان چڑھاتے ہیں"۔ یہ ان مومنین

کے متعلق ہے جن کی بابت دوسری جگہ کہا گیا ہے کہ جب انہیں اقامت دین کے سلسلہ میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ ان سے گھبراتے نہیں۔ حوصلہ نہیں ہارتے' بلکہ ثابت قدمی سے ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اولٰئک علیھم صلوٰۃ من ربھم (۲/۱۵۷)۔ یہ لوگ خدا کے نزدیک مستحق تبریک وتہنیت ہیں۔ انہیں خدائی تائید ونصرت حاصل ہے۔ خدا ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ان کی کوششوں کو کامیاب بناتا ہے۔ انکی نشو ونما کرتا ہے۔ یہ تو رہا عام جماعت مومنین کے متعلق۔ خود نبی اکرم ﷺ کے متعلق ہے کہ ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی ....(۳۳/۵۶)۔ خدا اور اس کے ملائکہ نبیؐ کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اس کے پروگرام کو تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ اس کے بعد ہے۔ یایھا الذین امنوا۔ صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ (۳۳/۵۶)۔ ''اے جماعت مومنین! تم بھی اپنے نبیؐ کے پروگرام کو کامیاب بنانے میں اس کا ساتھ دو۔ اس کی کوششوں کو پروان چڑھانے میں اس کی مدد کرو اور اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ اس کی پوری پوری اطاعت کرو۔'' (۴/۶۵)۔ و تعزروہ و توقروہ (۴۸/۹)۔ (تاکہ) تم اس کی مدد کرو۔ اس کی عزت وتوقیر کرو۔ مومنین کے متعلق دوسری جگہ کہا ہے و عزروہ و نصروہ (۷/۱۵۷)۔ ''جنہوں نے اس کی تائید وتعظیم کی۔ اسکی مدد کی''۔ اس طرح کہ واتبعوا النور الذی انزل معہ (۷/۱۵۷) ''جو روشن (کتاب) ہم نے اس کے ساتھ نازل کی ہے اس کا اتباع کیا''۔ یہ ہے مومنین کی طرف سے صلوا علیہ کے فریضہ کی ادائیگی کا طریق۔

یہ ہے خدا اور اس کے ملائکہ کی صلوٰت جماعت مومنین پر اور خود نبی اکرم ﷺ پر۔ اور یہ ہے جماعت مومنین کا صلوٰۃ وسلام نبی اکرم ﷺ پر۔ آپ نے غور فرمایا کہ صلوا علیہ و سلموا تسلیما کا حکم کتنے عظیم عملی پروگرام کا متقاضی ہے۔ یعنی قوانین خداوندی کی پوری پوری اطاعت سے اس دین کو تمام ادیانِ عالم پر غالب کرنا جسے نبی اکرمؐ لے کر تشریف لائے تھے۔ دوسری طرف نبی اکرمؐ سے کہا گیا ہے کہ جب جماعت مومنین کے افراد انفاق فی سبیل اللہ کے لئے تیرے پاس اپنی کمائی لے کر آئیں تو اسے قبول کر' وصل علیھم۔ ان صلوتک سکن لھم (۹/۱۰۳)۔ اور انکی حوصلہ افزائی کر۔ اس لئے کہ تیری طرف سے حوصلہ افزائی (Encouragement)' تحسین و تبریک (Appreciation)' ان کے لئے موجب تسکین ہوتی ہے۔ وہ اس انفاق فی سبیل اللہ کو قربت عنداللہ وصلوت الرسول (۹/۹۹) کا موجب سمجھتے ہیں۔ یعنی قرب خداوندی کا باعث اور رسول کی طرف سے تحسین وتبریک اور حوصلہ افزائی کا موجب۔ (''قرب خداوندی'' کے لئے ق۔ر۔ب کا عنوان دیکھئے)۔

(۱۱) لغت عبرانی میں صلوٰت یہودیوں کی عبادت گاہوں کو بھی کہتے ہیں۔ (۲۲/۴۰) میں یہ لفظ انہی معنوں میں آیا ہے۔

NEW BOOK ON QUAID-I-AZAM

OUT NOW

A must-read for all Pakistanis –

the truth about Islam and secularism in Pakistan

In 2005, Saleena Karim proved that a famous quote of Quaid-i-Azam M.A. Jinnah used in Chief Justice Munir's *From Jinnah to Zia* (1979) was a fake. In this much-anticipated sequel to *Secular Jinnah*, the author provides an in-depth analysis of the 'Munir quote' and its extraordinary influence over those who argue for a 'secular Jinnah'. Containing independent and original research spanning five years, her book presents a compelling case for a Jinnah who was neither a secularist, nor a religionist, nor even a product of secular-Islam synthesis. This comprehensive work includes:

- **Jinnah's career and the cause of his 'ideological' conversion**
- **Iqbal's intellectual influence**
- **The real meaning of the Two-Nation Theory and the ideology of Pakistan**
- **The Lahore Resolution as a 'deferred' partition demand**
- **A fresh examination of the Cabinet Mission Plan**
- **In-depth review of the Objectives Resolution of 1949**
- **Academic misconstruction of Jinnah, Iqbal and the Pakistan idea**
- **A completely rewritten and updated 'myths of Jinnah'**

Plus exclusive never-before-published research:

- **Startling revelations of the first and devastating use of the Munir quote in the Constituent Assembly debates of 1954**

- **The untold story of the Constitution (Amendment) Bill 2006 to make the 11 August 1947 speech a substantive part of the Pakistani constitution (includes revelatory correspondence between S. Karim and late M.P. Bhandara)**

This book is available for sale internationally now at all online bookstores. A Pakistani edition will also become available in both Urdu and English languages soon. For further information, including the list of contents, a full chapter excerpt and contact details, visit the author's website at:

http://www.secularjinnah.co.uk

Saleena Karim is a British-Pakistani writer and editor based in Nottingham. She is also founder/director of the Jinnah Archive.

=====================

ENJOY YOUR STAY AT

HOTEL PARKWAY (PVT.) LTD.

NEAR RAILWAY STATION – LAHORE

ALL COMFORTS AVAILABLE:

- T.V. & FAX
- TELEPHONE EXCHANGE
- LIFT, INTERNET
- AIR-CONDITIONED
- CAR PARKING
- EXCELLENT SERVICE

PH:0092-42-36365908-12, FAX: 0092-42-36311923,

E-mail:hotel_parkway@yahoo.com